تدبّرِ قرآن

١٠

یونس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ سورتوں کے تیسرے گروپ پر ایک اجمالی نظر

سورۂ توبہ پر سورتوں کا دوسرا گروپ، جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں واضح کیا ہے، تمام ہوا۔ اب سورۂ یونس سے تیسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو سورہ نور پر ختم ہوا ہے۔ اس میں ۱۴ سورتیں ــــ یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج اور مومنون مکی ہیں، آخر میں صرف سورہ نور مدنی ہے۔ سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا اصول، جس طرح پچھلے دونوں گروپوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اسی طرح اس گروپ میں بھی ملحوظ ہے۔ گروپ کی پندرھویں سورہ ــــ سورۂ نور ــــ بظاہر الگ نظر آتی ہے لیکن اس کی حیثیت، جیسا کہ ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے، سورۂ مومنون کے تکملہ اور تتمہ کی ہے۔ سورۂ مومنون میں اہل ایمان کو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اس خاص اخلاق و کردار کے ساتھ مشروط ہے جو ایمان کا لازمی مقتضی ہے۔ سورۂ نور میں اخلاق و کردار کو مزید واضح فرمایا گیا ہے جس سے 'خبیثون' اور 'خبیثات' کے کافرانہ معاشرہ کے مقابل میں 'طیبون' اور 'طیبات' کا مومنانہ معاشرہ پوری آب و تاب کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آ گیا ہے اور اس معاشرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے وہ بھی اس میں نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

سورۂ نور کی حیثیت

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور۔ ۵۵)	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت بخشے گا جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلافت بخشی جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو ان کے لیے متمکن کرے گا جس کو اس نے پسند فرمایا اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔

اس گروپ کی سورتوں میں سے سورۂ حج کو بعض لوگوں نے مدنی قرار دیا ہے لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ گروپ کی آخری سورتیں چونکہ ہجرت کے بالکل قریب زمانے کی ہیں اس وجہ سے ان میں کہیں کہیں مدنی دور کی

جھلک آگئی ہے۔ لیکن یہ سورتیں اپنے مزاج اور مطالب کے اعتبار سے سب مکی ہیں۔ سورہ حج کی بعض آیتیں مدنی دور سے تعلق رکھنے والی ضرور ہیں لیکن سورہ بحیثیت مجموعی، جیسا کہ ہم اس کی تفسیر میں واضح کریں گے، مکی ہے۔ کسی مکی سورہ میں مدنی دور کی بعض آیتیں بطور توضیح یا تکمیل آجانے سے پوری سورہ پر مدنی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسی سورتیں قرآن میں بہت ہیں جن میں مدنی دور کی آیات شامل ہیں لیکن یہ سورتیں اپنے بنیادی مطالب اور اپنے مزاج کے اعتبار سے مکی ہی قرار دی گئی ہیں۔

ان تمام سورتوں میں قدرِ مشترک

اس پورے گروپ کی تلاوت بار بار تدبر کے ساتھ کیجیے تو آپ نہایت واضح طور پر محسوس کریں گے کہ گروپ کی تمام سورتوں میں مشترک حقیقت، جو مختلف اسلوبوں اور پہلوؤں سے واضح فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؐ اور اہل ایمان کی کامیابی و فتحمندی اور قریش کی ذلت و ہزیمت پر منتہی ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس میں قریش کے لیے انذار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے لیے بشارت ہے۔ قریش پر عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے دلائل اور تاریخ و نظام کائنات کے شواہد سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو حق تمھارے پاس آچکا ہے۔ اگر اس کی مخالفت میں تمھاری یہی روش قائم رہی تو بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب تم اس کا انجام بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ دنیا میں تم سے پہلے جن قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے جو حشر ان کا ہوا ہے اور جن کے عبرت انگیز آثار تمھارے اپنے ملک میں موجود ہیں، وہی حشر تمھارا بھی ہونا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو صبر و استقامت اور تقویٰ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جس حق کو لے کر تم اٹھے ہو انجام کار کی کامیابی اور فیروزمندی اسی کا حصہ ہے۔ آفاق و انفس اور تاریخ اقوام و ملل کے دلائل و شواہد سب تمھارے ہی حق میں ہیں۔ البتہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان مرحلوں سے لازماً تمھیں بھی گزرنا ہے۔ اگر یہ مرحلے تم نے عزیمت و استقامت کے ساتھ طے کر لیے تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی تمھارا ہی حصہ ہے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ابراهيم - ۲۷)

سورہ کا عمود اور گروپ کی دوسری سورتوں میں اس کے مؤیدات

یہ پورے گروپ پر ایک اجمالی نظر ہوئی۔ اب ہم گروپ کی ایک ایک سورہ کو الگ الگ لے کر اس کی تفسیر کریں گے۔ گروپ کی پہلی سورہ، سورہ یونس ہے۔ ہم اپنے طریقہ کے مطابق پہلے اس کا عمود متعین کر کے اس کے مطالب کا تجزیہ کریں گے، اس کے بعد ایک ایک آیت کی تفسیر کریں گے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

ب - سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود نہایت جامع الفاظ میں اس کی دوسری ہی آیت سے واضح ہو رہا ہے۔ فرمایا ہے۔

أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُبِينٌ ۝ (۲-یونس)

کہ لوگوں کو آگاہ کر دو اور اہل ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے بڑی پایگاہ ہے کافروں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

سورۂ ہود میں اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:-

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۴۹-ھود)

پس ثابت قدم رہو۔ انجام کار کی کامیابی متقین ہی کے لیے ہے۔

سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:-

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۹۰-یوسف)

بے شک جو تقویٰ اختیار کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

سورۂ رعد میں اس صبر و تقویٰ کی کسی قدر تفصیل بھی آگئی ہے:-

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (۲۲-رعد)

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی میں جمے رہے اور نماز کا اہتمام کیا اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کیا اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے رہے وہی لوگ ہیں جن کے لیے دار آخرت کی کامیابی ہے۔

سورۂ ابراہیم میں اس کلمہ توحید کی طرف بھی اشارہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں اہل ایمان کے ثبات قدم کا ضامن ہے:-

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ (۲۷-ابراھیم)

اللہ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت میں قول محکم کی بدولت ثبات قدم بخشے گا اور ظالموں کو نامراد کر دے گا۔

ورۂ نحل میں ہے:-

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ (۳۰-نحل)

جن لوگوں نے خوب کاری اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی اچھا صلہ ہے اور آخرت کا گھر اس سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی اچھا ہے متقین کا گھر۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ سیدھی راہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہے اور جن لوگوں نے یہ راہ اختیار کر لی ہے دنیا اور آخرت کی فلاح کی بشارت انہی کے لیے ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (۹-۱۰، بنی اسرائیل)

بے شک یہ قرآن اس رستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے جو
بالکل سیدھا ہے اور ان مومنین کو جو نیک عمل کرتے
ہیں ایک اجر عظیم کی بشارت دے رہا ہے اور جو
لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے ایک
دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورۂ انبیاء میں ہے:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ
الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (۱۰۵-انبیاء)

اور ہم نے زبور میں یاد دہانی کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ
زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

گروپ کی آخری سورہ — سورۂ نور — میں یہ بشارت واضح سے واضح تر ہو گئی ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا
(۵۵-نور)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل
صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین
میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان لوگوں کو خلافت
عطا فرمائی جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس
دین کو مستحکم کرے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا اور
ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔

ان آیات کو نقل کرنے سے مقصود سورۂ یونس اور اس گروپ کی دوسری سورتوں کے عام مزاج سے فی الجملہ قارئین کو آشنا کر دینا ہے۔ ہر سورہ کا عمود اور بحث و استدلال میں اس کا صحیح رُخ مطالب کے تجزیہ سے سامنے آئے گا۔ اب ہم سورۂ یونس کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تاکہ پوری سورہ بیک نظر سامنے آ جائے۔

ج۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۲) قریش کے حال پر اظہار افسوس کہ یہ پرحکمت کتاب کی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھی میں سے ایک شخص پر اتاری ہیں، حق تھا کہ وہ اس کتاب کی قدر کرتے، یہ منکرین کو ان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والی اور مومنین کو اللہ کے ہاں مرتبہ بلند کی بشارت دینے والی ہے لیکن ان متکبرین پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ انھی میں کا ایک آدمی ان کے پاس بشیر و نذیر بن کر آئے چنانچہ وہ اس کو جادوگر قرار دیتے ہیں۔

(۳-۴) اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اسی نے آسمان و زمین بنائے۔ وہی تمام آسمان و زمین کا انتظام فرما رہا ہے۔ اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کسی کے لیے سفارش کی گنجائش نہیں۔ سب اسی کی طرف لوٹیں گے

اور وہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو عدل کے ساتھ بھرپور صلہ دے گا اور کفار کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

(۵-۱۰) آفاق کی شہادت کہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ نہیں ہے جو غور کرنے والے ہیں وہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک روز عدل ظہور میں آنے والا ہے۔ صرف وہی لوگ اس حقیقت سے غافل ہیں جو اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے اور اسی دنیا کی دلچسپیوں میں مگن ہیں۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ ایمان اور عمل صالح والوں کو ان کے ایمان کی بدولت نعمت کے باغوں میں داخل کرے گا جہاں وہ اپنی کامیابی پر شاداں ایک دوسرے کو مبارک سلامت کا پیغام دیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی تکمیل پر ان کی زبانوں پر حمد و شکر کے ترانے ہوں گے۔

(۱۱-۱۲) اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو اس دنیا میں جو ڈھیل دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رحمت کرنے میں تو جلدی کرتا ہے لیکن قہر کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اگر وہ رحمت کی طرح قہر کرنے میں بھی جلدی کرنے والا ہوتا تو ان سرکشوں کا قصہ کب کا تمام ہو چکا ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے اس وجہ سے وہ ایسے لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں اچھی طرح بھٹک لیں اور اپنے اوپر اللہ کی حجت تمام کرا لیں۔ ان لوگوں کی یہ سرکشی اور ان کی یہ اکڑ ان کے تھڑدلے پن کا ثبوت ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ ذرا ہم پکڑیں تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے ہمارا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے لیکن ذرا ڈھیل دے دیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کبھی ہماری پکڑ میں آیا تھا اور نہ کبھی اس نے ہمارے آگے کوئی فریاد کی تھی۔

(۱۳-۱۴) پچھلے رسولوں اور ان کی امتوں کا حوالہ کہ آخر یہ لوگ ان کے حالات سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہی کی جگہ ان کو دی اور اس لیے دی کہ دیکھے یہ کیسا عمل کرتے ہیں تو آخر ان کے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا۔

(۱۵-۱۹) توحید بیزاری کے سبب سے قریش کا یہ مطالبہ کہ اگر ہم کو سنانا ہے تو اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں کوئی ایسی ترمیم کرو کہ یہ ہمارے لیے گوارا ہو سکے۔ پیغمبر کی طرف سے اس کا جواب کہ میں تو تمہارے سامنے اللہ کی وحی پیش کرتا ہوں۔ مجھے اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہوں اور اس دوران میں کوئی دعویٰ یا دعوت لے کر نہیں اٹھا۔ اب جو میں تمہارے سامنے آیا ہوں تو اپنی خواہش سے نہیں آیا ہوں بلکہ خدا کے حکم کی تعمیل میں آیا ہوں۔ اگر خدا کا حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے سامنے یہ چیز پیش نہ کرتا —— ساتھ ہی ان کی توحید بیزاری پر یہ تنبیہ کہ یہ جن چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ خدا سے ان کے لیے سفارش کرتی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سب ان کے ذہن کے مفروضات ہیں، خدا کے علم میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی شرکتوں سے پاک اور ارفع ہے۔ اس نے لوگوں کو اپنی طرف سے ایک ہی دین توحید دیا

لیکن لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا اور اگر اللہ نے اپنے فیصلہ کا ایک دن نہ مقرر کیا ہوتا تو آج ہی اس جھگڑے کا فیصلہ ہو جاتا۔

(۲۰-۲۳) کفارِ قریش کی طرف سے نشانیٔ عذاب کا مطالبہ اور اس کا جواب کہ نشانی عذاب دکھانا پیغمبر کا کام نہیں ہے، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ صرف وہی جانتا ہے کہ کوئی نشانی ظاہر ہوگی یا نہیں اور ظاہر ہوگی تو کب ہوگی۔ یہ محض انسان کی رعونت ہے کہ وہ کسی عذاب کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ تھڑدلے پن کا حال یہ ہے کہ جب ذرا خدا کی گرفت میں آجاتا ہے تو اللہ اللہ پکارنے لگتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ اس آفت سے جان چھوٹ جائے تو زندگی اپنے رب کا شکرگزار بن کر گزاروں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ بغاوت اور نافرمانی کی وہی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔

(۲۴-۲۷) اس دنیا کی زندگی کی بے ثباتی کی تمثیل کہ کفار کو اس وقت جو زور اور اقتدار حاصل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی رخنہ کہاں سے پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ آئے دن اس دنیا میں یہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بارش ہوتی ہے، زمین لہلہا اٹھتی ہے۔ باغ اور کھیت سب مالامال ہو جاتے ہیں، زمینوں اور باغوں کے مالک یہ سمجھتے ہیں کہ بھلا اب ہمیں ان سے کون محروم کر سکتا ہے کہ دفعتہً رات میں یا دن میں کسی وقت عذاب الٰہی کا کوئی جھونکا آتا ہے اور وہ سب کو آناً فاناً بے نشان کر کے رکھ دیتا ہے۔ سلامتی کا گھر صرف اللہ کے پاس ہے اور وہ لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتا ہے لیکن اس کی راہ صرف صاحب توفیق ہی اختیار کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کے چہرے آخرت میں روشن ہوں گے۔ رہے یہ لوگ جو اسی دنیا کی زندگی میں مگن ہیں خدا سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور ان کے چہروں کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان پر شب دیجور کا کوئی ٹکڑا اڑھا دیا گیا ہے۔

(۲۸-۳۶) کفار اپنے جن معبودوں پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں آخرت میں ان کے اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ ان کے معبود ان سے اظہار بیزاری کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ تم ہماری عبادت کر رہے تھے۔ اس دن ہر شخص کو صرف اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا اور ہر ایک کی پیشی معبود حقیقی کے سامنے ہوگی۔ کفار سے یہ مطالبہ کہ جب تم خالق، رازق، مالک اور زندگی اور موت پر اختیار رکھنے والا خدا ہی کو مانتے ہو تو اسی کو رب بھی مانو، اس واضح حق کے بعد اگر تم خدا کے سوا کسی اور کو بھی رب مانتے ہو تو یہ صریح ضلالت ہوئی آخر اس دنیا کی خلق و تدبیر اور تمھاری ہدایت و رہنمائی میں تمھارے ان فرضی معبودوں کا کیا حصہ ہے جس کی بنا پر تم ان کو خدا کے حقوق میں شریک بنا بیٹھے ہو؟ یہ تو محض تمھاری اٹکل پچو باتیں ہیں جو حق کے مقابل میں تمھارے کچھ کام آنے والی نہیں ہیں۔

(۳۷-۴۴) یہ قرآن کوئی من گھڑت چیز نہیں ہے۔ اس کی پیشین گوئیاں پچھلے صحیفوں میں موجود ہیں اور یہ انہی پیشین گوئیوں کا مصداق اور انہی اشارات کی تفصیل ہے۔ اس کے خدائی کتاب ہونے میں کسی شک کی

گنجائش نہیں ہے۔ اگر کفار کہتے ہیں کہ یہ تمھاری گھڑی ہوئی چیز ہے جس کو تم جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو تو ان سے کہو کہ یہ اس کی مانند کوئی ایک ہی سورہ لاکر دکھائیں اور اس کام میں اپنے معبودوں کی مدد بھی اگر حاصل کر سکیں تو وہ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کا انکار کر رہے ہیں جس کی حقیقت ان کے سامنے ابھی نہیں آئی ہے اور اس معاملے میں یہ پچھلے مکذبین کی روش کی تقلید کر رہے ہیں تو صبر کرو اور دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے —— پیغمبر کو تسلی کہ جن کے اندر صلاحیت ہے وہ اس کتاب پر ایمان لا رہے ہیں، رہے وہ لوگ جو اندھے بہرے بن چکے ہیں تو نہ وہ تمھاری بات سنیں گے نہ تمھارے اوپر ان کی کوئی ذمہ داری ہے۔ تم ان سے اپنی برأت کا اعلان کر دو۔ یہ خود اپنے اعمال کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں۔ خدا نے ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے۔

(۵۴-۵۸) جس عذاب اور روز آخرت کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے اس کے لیے یہ جلدی مچائے ہوئے ہیں حالانکہ جب وہ آئے گا تو یہ محسوس کریں گے کہ زندگی کی مہلت ایک ساعت سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ عذاب کب آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمھاری موجودگی ہی میں ان کو دکھا دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمھاری وفات کے بعد یہ اس کا مزا چکھیں۔ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس قوم کا فیصلہ لازماً ہو جایا کرتا ہے۔ اگر یہ تم سے اس دھمکی کے ظہور کا وقت پوچھتے ہیں تو تم کہہ دو کہ میرے پاس نہ غیب کا علم ہے اور نہ میں کسی نفع و ضرر پر اختیار رکھتا ہوں بس یہ حقیقت جانتا ہوں کہ ہر امت کے لیے ایک پیمانہ مقرر ہے، جب وہ پیمانہ بھر جائے گا تو پھر اس کو ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ یہ اگر اتنی جلدی مچائے ہوئے ہیں تو ان سے پوچھو کہ خدا کے عذاب کا مقابلہ کرنے کے لیے انھوں نے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اس وقت تو ان کا ایمان لانا بھی بالکل بے سود ہوگا؟ اس وقت تو حال یہ ہوگا کہ ہر جان اس سے چھوٹنے کے لیے ساری دنیا بھی اس کے ہاتھ آجائے تو اس کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہو جائے گی تو آخر یہ اپنی شامت بلانے کے درپے کیوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت و رحمت کو اختیار کیوں نہیں کرتے جو ان پر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی ہے اور جس کے آگے اس دنیا کے تمام زخارف بالکل ہیچ ہیں!

(۵۹-۷۰) جن لوگوں نے بے دلیل خدا کے شریک اور سفارشی بنا رکھے ہیں کیا ان کو خدا سے ناانصافی کا اندیشہ ہے؟ خدا تو اپنے بندوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ البتہ لوگ ناشکری کرتے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی نسبت سے حلال و حرام ٹھہراتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی کہ خدا ہر قدم پر تمھارے ساتھ ہے۔ جو اللہ کے اولیا ہیں ان کے لیے کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی ان کے لیے بشارت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بشارت ہے اور خدا کے وعدے اٹل ہیں۔ عزت صرف اللہ کے لیے ہے، جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہیں وہ صرف گمان کی پوجا

کر رہے ہیں، شب و روز سب اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ سب سے مستغنی ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ جو لوگ اپنے جی سے خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اور وہ آخرت میں عذاب شدید سے دوچار ہوں گے۔

(۷۱-۹۳) اوپر کے بیان کردہ حقائق کی تائید میں تاریخ کی شہادت۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت کا اجمالی حوالہ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو یہ تلقین کہ جس طرح کے حالات تم سے پہلے انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو پیش آچکے ہیں اسی طرح کے حالات تمھاری قوم کی طرف سے تم کو پیش آرہے ہیں۔ پس اگر تم نے صبر اور توکل کی وہی روش اختیار کی جو تمھارے پیش رو انبیاء اور ان کے صحابہؓ نے اختیار کی اور اس پر جمے رہے تو تمھیں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں سرخرو کرے گا اور تمھارے مخالفوں کا وہی حشر ہوگا جو نوحؑ اور موسیٰؑ کے مخالفوں کا ہو چکا ہے۔

(۹۴-۱۰۳) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مسلمانوں کو یہ تلقین کہ مخالفوں کا غوغا تمھیں اس کتاب کے باب میں کسی شک میں نہ ڈالے جو تم پر اللہ نے اتاری ہے۔ یہ بالکل حق ہے اور جو اچھے اہل کتاب ہیں وہ بھی اس کے حق ہونے کے گواہ ہیں۔ جو لوگ اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ اپنے اعمال کے سبب سے خدا کے قانون کی زد میں آچکے ہیں، ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھا دی جائیں وہ اس وقت تک ایمان لانے والے نہیں ہیں جب تک فیصلہ کن عذاب نہ دیکھ لیں۔ کوئی قوم جب قانونِ الٰہی کی زد میں آجاتی ہے تو اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا کرتا۔ صرف قوم یونس ایک ایسی قوم ہے جو عذاب الٰہی کی زد میں آتے آتے بچ گئی۔ عذاب بس آنے ہی کو تھا کہ وہ ایمان لائی اور اللہ نے اس کو بچا لیا۔ اہلِ ایمان کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل اور سمجھ سے کام لے کر ایمان کی راہ اختیار کریں نہ کہ عذاب کی نشانیوں سے مجبور ہو کر۔ اگر اللہ کو مجبورانہ ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ سب کو ایمان کی ڈگر پر ہانک دیتا؟ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایمان کی توفیق صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے دلوں پر نجاست کے انبار جمع کر لیتے ہیں ان کے لیے ایمان کی راہ نہیں کھلتی۔ ایسے لوگوں کو بڑی سے بڑی نشانی بھی کچھ نفع نہیں پہنچاتی۔ یہ لوگ تو بس اس طرح کے فیصلہ کن دن کے انتظار میں ہیں جس طرح کے فیصلہ کن دن پچھلی قوموں کو پیش آچکے ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر تم اسی کے انتظار میں ہو تو انتظار کرو، میں بھی اب تمھارے لیے اسی کے انتظار میں ہوں۔

(۱۰۴-۱۰۹) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مخالفین کے سامنے ایک فیصلہ کن اعلان کہ اگر کسی کو میرے دین کے بارے میں شک ہو تو وہ اچھی طرح کان کھول کر سن لے کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا، میں صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی توحید پر آپ کو جمے رہنے کی تاکید، اس لیے کہ نفع و ضرر صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے، دوسرا نہ کچھ بنا سکتا، نہ بگاڑ سکتا — پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

زبان سے اعلان کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آچکا ہے اور وہ میں نے لوگوں کو پہنچا دیا ہے۔ اب جو ہدایت اختیار کرے گا تو اس کا نفع اس کو پہنچے گا اور جو گمراہی کی راہ اختیار کرے گا تو اس کا انجام خود بھگتے گا۔ میں کسی کے ایمان کا ذمہ دار نہیں ہوں —— آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ وحی الٰہی کی پیروی کرو، اسی پہ جمے رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ (١٠)

مَكِّيَّةٌ ———— اٰيَاتُهَا ١٠٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ — المنزل ٣ آيات ١-١٠
اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ — وقف النبي صلى الله عليه وسلم
مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يَتَّقُوْنَ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ
النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ
ع ٦ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠

ترجمۂ آیات ۱-۱۰

یہ الف، لام، را ہے۔ یہ پرحکمت کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کو اس بات پر حیرانی ہے کہ ہم نے انھی میں سے ایک شخص پر وحی کی کہ لوگوں کو ہوشیار کر دو اور اہل ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا، بے شک یہ ایک کھلا ہوا جادوگر ہے۔ ۱-۲

بے شک تمھارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا، پھر وہ معاملات کا انتظام سنبھالے عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے تو اسی کی بندگی کرو، کیا تم سوچتے نہیں! اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک وہی خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کو عدل کے ساتھ بدلہ دے اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہے۔ وہی ہے جس نے سورج کو تابان اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لیے منزلیں ٹھہرادیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ

بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ بے شک رات اور دن کی آمد و شد اور آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈریں۔ جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر قانع اور مطمئن ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، انہی لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کے اعمال کی پاداش میں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ ان کے ایمان کی بدولت ان کو ان کی منزل پر پہنچائے گا، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، نعمت کے باغوں میں۔ اس میں ان کا ترانہ ہوگا اے اللہ تو پاک ہے، اور اس میں ان کی آپس کی تحیت سلام ہوگی اور ان کا آخری کلمہ الحمد للہ رب العالمین (شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے) ہوگا۔ ۳-۱۰

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (۱-۲)

کتاب حکیم کا مفہوم

'الٓرٰ'۔ اس سورہ کا قرآنی نام 'الٓرا' ہے اور 'تلک' کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ یہ حروف مقطعات ہیں جن پر ایک جامع بحث ہم البقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں۔ کتاب کی صفت 'حکیم' اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ کتاب اپنے ہر دعوے پر دلیل و حجت سے اس طرح آراستہ ہے کہ اپنی صداقت کی کسوٹی خود اپنے ہی اندر رکھتی ہے، کسی خارجی شہادت کی محتاج نہیں ہے۔ جو لوگ اس کی صداقت کے ثبوت کے لیے کسی شہادت کے طلب گار ہیں وہ خارج کی بجائے خود اس کے اندر اتریں، اگر ان کی عقل سلیم اور فطرت مستقیم ہوگی تو اس کی حکمت خود ان کے ہر شبہے کو صاف کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان

'اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ...... الاٰیۃ'۔ 'الناس' سے مراد، قرینہ دلیل ہے کہ، یہاں قریش ہیں۔ یعنی جب یہ کتاب بجائے خود حجت و برہان ہے تو مجرد یہ بات اس کے انکار کی کیا دلیل ہوئی کہ اس کی وحی انہی میں سے ایک شخص پر آئی؟ اپنے اندر کے کسی شخص پر اس وحی کا آنا کوئی انکار و استعجاب کی چیز نہیں بلکہ یہ سوچیں تو یہ

اللہ کا ان پر احسان عظیم ہے کہ اس نے ان پر انہی کے اندر کے ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے یہ کتاب اتاری جس کے ماضی و حاضر اور جس کے کردار و اخلاق سے وہ اچھی طرح آگاہ بھی ہیں اور جس کے امین و راستباز ہونے کے وہ معترف بھی رہے ہیں؟ کیا یہ بات بہتر ہوتی کہ کوئی غیر ان پر اس حق کی گواہی دیتا یا یہ بہتر ہے کہ اللہ نے انہی کے ایک بہترین فرد کو اس حق کا گواہ بنایا اور اس طرح گویا انہی کی زبان اور انہی کے ضمیر نے ان پر حق کی حجت تمام کی۔ یہ بات بھی کسی پہلو سے معقول نہ ہوتی کہ اس کام کے لیے کوئی فرشتہ یا جن منتخب کیا جاتا۔ انسانوں کے لیے معلم و مرشد اور نمونہ و مثال انسان ہو سکتا ہے نہ کہ فرشتے اور جن۔

کتاب کا حاصل۔ کتاب کا اصل پیغام

اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔ یہ اس کتاب یا حامل کتاب کا اصل پیغام نقل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پیغام بھی کوئی استعجاب یا انکار کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ یہ دنیا کی زندگی یوں ہی ختم ہو جانے والی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں سب کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور اس دن وہ لوگ خدا کے ہاں عزت و سرفرازی کا مقام پائیں گے جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور جو لوگ اس کو جھٹلائیں گے وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑیں گے۔ اس حقیقت کے اظہار سے اگر قریش کے متکبرین کے دل کو چوٹ لگتی ہے تو لگے اور وہ حیران ہوتے ہیں تو حیران ہوں لیکن جو حقیقت ہے وہ اس وجہ سے غلط نہیں ہو جائے گی کہ اس سے کسی گروہ کے پندار پر ضرب پڑتی ہے۔

'قَدَمَ صِدۡقٍ' کا مفہوم

'قَدَمَ صِدۡقٍ' میں 'صدق' کا لفظ، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، رسوخ و استحکام اور تمکن پر دلیل ہے اس وجہ سے 'قَدَمَ صِدۡقٍ' کا مفہوم عزت کا مقام، مرتبۂ بلند، اونچی پائگاہ اور لازوال سرفرازی ہوگا۔ اس آیت میں ایمان لانے والوں کے لیے جو بشارت ہے وہ تو واضح الفاظ میں مذکور ہے لیکن انذار کا پہلو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس گروپ کی تمام سورتوں میں نمایاں پہلو اہل ایمان کے لیے بشارت ہی کا ہے۔ کفار کے انجام کا پہلو ان میں اصلاً نہیں بلکہ ضمناً اور تبعاً بیان ہوا ہے۔

کفار کے استعجاب و انکار کی تعبیر

قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ۔ یہ کفار کے استعجاب و انکار کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس پر حکمت کتاب کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں اس کے لانے والے کو یہ کھلا ہوا جادوگر قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس کتاب کے زور، اس کے اثر اور اس کی فصاحت و بلاغت کا لوہا تو مانتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کو محض الفاظ اور سجع و قافیہ کی صناعی اور پیغمبر کی فصاحت و بلاغت کی شعبدہ بازی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اپنے عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس کتاب اور اس کے لانے والے کے کلام میں جو تاثیر اور کشش محسوس کرتے ہو یہ نہ سمجھو کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آئی ہے اور اس میں حکمت کا خزانہ ہے بلکہ جس طرح ایک شعبدہ باز اپنی شعبدہ بازی سے ایک شے کو کچھ سے کچھ بنا کر دکھاتا ہے اسی طرح یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) الفاظ کی شعبدہ گری کا ماہر ہے اور اپنی بات اس طرح پیش کرتا ہے کہ سادہ لوگ اس کے کلام سے مسحور ہو جاتے ہیں۔

انبیاء کو ساحر و کاہن کہنے کا ایک خاص پہلو

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو کفار جو ساحر قرار دیتے رہے ہیں تو صرف ان کے معجزات کی اہمیت گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ یہی حربہ وہ ان کے کلام کو بے وقعت ٹھہرانے کے لیے بھی استعمال کرتے، جب دیکھتے کہ ان کے اندر کے سلیم الفطرت لوگ نبی کے پیش کیے ہوئے کلام سے متاثر ہو رہے ہیں تو یہ شگوفہ چھوڑتے کہ یہ تو محض الفاظ کی شعبدہ بازی اور زبان کی جادوگری ہے، اپنے آپ کو اس فریب سے بچاؤ۔ خود قرآن کو سحر کہنے میں بھی یہی مقصد ان کے پیش نظر ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کاہن بھی کہتے تھے اس سے بھی ان کا مقصد یہی ہوتا کہ اپنے عوام کی توجہ قرآن اور پیغمبر سے ہٹائیں کہ یہ کلام کوئی مافوق چیز اور اس کا پیش کرنے والا کوئی مافوق ہستی نہیں ہے۔ جس طرح ہمارے کاہن سجع اور قافیہ کے ساتھ مرصع اسلوب میں اپنا کلام پیش کرتے ہیں اور جس طرح کاہنوں کے کلام میں مستقبل سے متعلق کچھ پیشین گوئیوں کی جھلک ہوتی ہے اسی طرح کی جھلک ان کے کلام میں بھی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ہماری جانی پہچانی ہوئی چیزیں ہیں۔ ان کو آسمانی اور خدائی مرتبہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (۳-۴)

مذکورہ بالا انذار و بشارت کی دلیل

اوپر والے ٹکڑے میں جو انذار و بشارت ہے یہ اسی کی دلیل بیان ہو رہی ہے اور مقدمات کی ترتیب اس طرح ہے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور جس کا خالق ہونا تمھیں خود بھی تسلیم ہے، وہی تمھارا رب اور آقا و مولیٰ ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خالق تو کوئی اور ہو، آقا و مولیٰ کوئی اور بن جائے، اگر تم نے کچھ اور رب بنا کر ان سے کچھ امیدیں باندھ رکھی ہیں تو یہ محض تمھاری حماقت ہے جو عقل و فطرت اور خود تمھارے اپنے مسلّمہ کے خلاف ہے۔ پھر یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے طور پر ظہور میں نہیں آگئی ہے بلکہ یہ خدائی دنوں کے حساب سے چھ دنوں یا بالفاظ دیگر چھ ادوار میں درجہ بدرجہ ارتقا پذیر ہوئی ہے۔ یہ تدریج و ترتیب اور یہ ارتقا خود شاہد ہے کہ نہ اس کا ظہور کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ ہے بلکہ یہ نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہوا ایک باغایت و بامقصد کارخانہ ہے اور اس کی مقصدیت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان جو اس کائنات میں خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے یوں ہی شتر بے مہار نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کے سامنے ایک ایسا دن آئے جس میں وہ لوگ پورے انصاف کے ساتھ اپنے اعمال کا صلہ پائیں جنھوں نے خالق کائنات کی پسند کے مطابق زندگی بسر کی اور وہ لوگ اپنے جرائم کی سزا بھگتیں جنھوں نے اس دنیا کو کھیل تماشہ سمجھا اور ساری زندگی بطالت میں گزاری۔

خدا عرش حکومت پر متمکن ہے

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ خدا دنیا کو پیدا کر کے کسی گوشے میں ایک

خاموش علۃ العلل بن کر بیٹھ رہا ہے اور اس دنیا کا سارا انتظام و انصرام اس نے دوسروں کے حوالے کر دیا ہے بلکہ وہ خود عرشِ حکومت پر متمکن اور صرف متمکن ہی نہیں بلکہ بالفعل تمام معاملات کا انتظام فرما رہا ہے۔ زبور میں یہی حقیقت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:۔

"تو نے تخت پر بیٹھ کر صداقت سے انصاف کیا۔" ۹:۴

خدا کے ہاں کوئی سفارش اس کے اذن کے بغیر نہیں ہوگی

مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّامِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ، یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ خدا کے اس انصاف سے کسی کی سعی و سفارش کے ذریعے سے وہ اپنے آپ کو بچا لے جائے گا۔ خدا کے ہاں کوئی بھی نہ اس کے اذن کے بغیر سفارش کے لیے زبان کھول سکے گا اور نہ کوئی سفارش باطل کو حق یا حق کو باطل بنا سکے گی۔ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: یعنی یہی اللہ جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، جو عرشِ حکومت پر متمکن ہو کر عدل و انصاف کے ساتھ فرمانروائی کر رہا ہے، جس کے ہاں کوئی بڑے سے بڑا سفارشی بھی، اس کے اذن کے بغیر، کسی کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے گا، وہی اللہ تمہارا رب ہے تو اپنے اسی رب کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تم نے اور رب کہاں سے گھڑ لیے، تم اپنے مانے ہوئے مقدمات و مسلمات کو کس طرح نظرانداز کر جاتے ہو۔

سب کی پیشی خدا ہی کے آگے ہوگی

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا۔ اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور مولیٰ و مرجع نہیں ہے۔ یہ اللہ کا شدنی وعدہ ہے۔ 'جَمِيْعًا' کی تاکید اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ تمہاری اور جن کو تم نے اپنے گمان کے مطابق خدا کا شریک و شفیع بنا رکھا ہے سب کی پیشی خدا ہی کے آگے ہونی ہے اس سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔

آغاز و اعادہ خدا کے اختیار میں ہے

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ یہ اس وعدے کے حق ہونے کی دلیل ہے کہ خدا خلق کا آغاز فرماتا ہے وہی دوبارہ اس کا اعادہ فرمائے گا جس نے پہلی مرتبہ اس کا آغاز کیا، آخر دوبارہ اس کا اعادہ کرنے میں اس کو کیوں دشواری پیش آئے گی؟ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جن کا نہ اس کائنات کے آغاز میں کوئی حصہ نہ اس کے اعادہ میں کوئی دخل آخر ان کو کس بنیاد پر تم نے مرجع و مولیٰ بنا رکھا ہے؟

قیامت کا اصل مقصد

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ۔ یہی اصل مقصد ہے قیامت کے آنے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا اصل مقصود درحقیقت اہلِ ایمان کو جزا دینا ہے، اہلِ کفر کو سزا اس کے لوازم اور توابع میں سے ہے۔ یہی وہ بشارت ہے جس کا آغاز میں ذکر ہوا ہے اس کی دلیل بیان کرنے کے بعد پھر اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔

کفار کے لیے اولین سامانِ ضیافت

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ کفار کو جو عذاب ہوگا یہ اس کا بیان ہے۔ 'شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ' کا ذکر جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اشارہ کر چکے ہیں، اولین سامانِ ضیافت کی حیثیت

سے ہے یعنی ان کی اول تواضع قوان کے اترتے ہی کھولتے پانی سے ہوگی۔ پھر ان کے لیے دردناک عذاب کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰٓئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۵ - ۱۰)

جزا اور سزا کے قطعی ہونے کی دلیل

توحید کے بعد اب یہ جزا اور سزا کے قطعی ہونے کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ اس کارخانۂ کائنات پر جو شخص بھی غور کرے گا اس کو یہ حقیقت نہایت نمایاں طور پر نظر آئے گی کہ یہ کسی کباڑیے کا مال گودام نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں اس کے خالق کی عظیم قدرت اور اس کی بے پایاں رحمت و ربوبیت نمایاں ہے۔ اس کے اندر نہایت اعلیٰ اہتمام ہے۔ بے نظیر ترتیب و انتظام ہے، بے مثال اقلیدس و ریاضی ہے۔ سورج معین نظام اوقات کے ساتھ نکلتا اور اپنی تابانیوں سے سارے جہان کو روشن کرتا ہے۔ اس کے فیض سے گرمی، سردی، خزاں اور بہار کے مختلف موسم پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک ہماری دنیا کی زندگی اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ چاند اس سے کسبِ نور کر کے اپنی معین منزلیں طے کرتا اور ہماری تاریک راتوں میں مختلف زاویوں سے ہمارے لیے شمع برداری بھی کرتا ہے اور ہمارے مہینوں اور سالوں کی تقویم بھی بناتا ہے ـــــ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دنیا خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی یا یوں ہی ختم ہو جائے گی؟ اگر یہ مان لیا جائے تو یہ ساری قدرت و حکمت بے مقصد و بے غایت ہو جاتی ہے جو اس کائنات کے ہر گوشہ میں جلوہ گر ہے۔ پھر تو یہ دنیا بالکل باطل اور ایک کھیل تماشا بن کے رہ جاتی ہے اور یہ ایک ایسی خلافِ عقل، ایسی خلافِ عدل اور ایسی خلافِ فطرت بات ہے کہ کوئی سلیم العقل اور کوئی مستقیم الفطرت انسان ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو باور نہیں کر سکتا۔ کچھ اینٹیں ایک جگہ بکھری ہوئی پڑی ہوں تو ان کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ یونہی پڑی ہوئی ہیں لیکن کیا یہی گمان تاج محل، لال قلعہ اور لاہور و دلی کی جامع مسجدوں کے متعلق بھی کر سکتے ہیں؟

لہ آیت میں سورج کے لیے ضیا (چمک اور تابانی) اور چاند کے لیے نور (خنک روشنی) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس فرق کی یہ توجیہہ کی ہے کہ سورج کی روشنی اپنی ذاتی ہے اور چاند کی روشنی سورج سے حاصل کی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بات بجائے خود صحیح ہے لیکن میرے نزدیک 'ضیا' میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور 'نور' خنک روشنی کو کہتے ہیں۔ اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ سورج کی روشنی میں تپش ہوتی ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

صحیح انسانی فطرت کا اعتراف

مَاخَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ: یہ صحیح انسانی فطرت کا اعتراف بیان ہوا ہے کہ جو عاقل اس نظامِ کائنات پر غور کرتا ہے وہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کارخانہ باطل اور بے مقصد نہیں بلکہ ایک عظیم غایت کے ساتھ وجود میں آیا ہے اور یہ غایت مقتضی ہے کہ یہ ایک ایسے انجام پر منتہی ہو جو حق اور باطل کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ: فرمایا کہ اس جزا و سزا کی دلیلیں اور نشانیاں اس نظامِ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی ہیں جو دیکھنے والی آنکھوں سے مخفی نہیں ہو سکتیں لیکن اگر کسی کے لیے یہ مخفی تھیں تو اب ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ بعینہٖ یہی مضمون آل عمران کی آیت ۱۹۱۔ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ میں بیان ہوا ہے۔ مزید تفصیل کے طالب اس آیت کی تفسیر پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

گردشِ لیل و نہار کا درس

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ..... الایۃ: اختلافِ لیل و نہار سے اس تعاقب کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے جو وہ ایک دوسرے کا پوری سرگرمی سے کر رہے ہیں جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ گردش بے غایت و بے مقصد نہیں ہے بلکہ ایک عظیم نتیجہ پر منتہی ہونے والی ہے، دوسرے اس عظیم نظامِ ربوبیت کی طرف بھی اس میں اشارہ ہے جو رات اور دن کے اختلافِ مزاج کے اندر مضمر ہے کہ دن انسان کے لیے معاش و معیشت کی سرگرمیوں کا میدان گرم کرتا ہے اور رات اس کے لیے راحت و سکون کا بستر بچھاتی ہے۔ اس نظام پر جو شخص بھی غور کرتا ہے وہ لازماً اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اضداد کے اندر ایک مشترک مقصد کے لیے یہ حیرت انگیز توافق اسی شکل میں وجود میں آ سکتا ہے جب یہ مانا جائے کہ یہ سارا کارخانہ صرف ایک قادر و قیوم کے ارادے کے تحت کام کر رہا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس نے ربوبیت و پرورش کا یہ سارا نظام کھڑا کیا ہے اور اس کو اس اہتمام سے چلا رہا ہے وہ انسان کو مطلق العنان اور غیر مسئول نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کے بعد ایک ایسا دن لازماً آنا ہے جس میں وہ اس ربوبیت کا حق پہچاننے والوں کو ان کی حق شناسی کا انعام دے گا اور اس سے بے پروا رہنے والوں کو جہنم میں جھونک دے گا۔ یہی نتیجہ اس کائنات کے تمام اجزا اور اس کے تمام اضداد پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور یہی حاصل ہے جو انسان کی رہنمائی آخرت اور اس جزا و سزا کی طرف کرتا ہے جس سے انسان کے اندر وہ حقیقی تقویٰ پیدا ہوتا ہے جس کی طرف آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت میں سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کے الفاظ سے اشارہ ہوا ہے۔

ان لوگوں کا انجام جو نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ ..... بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ: یہ ان لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے جو اس کائنات کی ان تمام نشانیوں کے باوجود اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہیں نہ انھیں خدا کی ملاقات کا اندیشہ ہے، نہ آخرت کا ڈر ہے۔ فرمایا کہ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ لفظ 'رجا' یہاں توقع اور اندیشہ کے معنی میں ہے اور یہی اس کا اصل لغوی مفہوم ہے۔

اہلِ ایمان کا انجام

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ...... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ هدایت یہاں منزلِ مقصود کی ہدایت کے مفہوم میں ہے جو تمام کائنات کی تخلیق کی غایت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی بدولت جنت میں ان کے حسبِ مراتب منازل و مقامات کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ، یعنی جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ حق، حق ہو کے رہا اور باطل، باطل تو بے تحاشا ان کی زبان سے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ نکلیں گے کہ آیاتِ الٰہی کے مشاہدے سے ہمارا جو یہ گمان تھا کہ یہ کارخانۂ کائنات کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہو سکتا، اس عظیم خالق کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی کارِ عبث کرے، تو ہمارا یہ گمان سچا ثابت ہوا۔ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ، یعنی ایک کامیاب اور فتح مند ٹیم کی طرح ان کے آپس میں مبارک سلامت کے تبادلے ہوں گے اور دوسری طرف کفار کے اندر جوتیوں میں دال بٹ رہی ہوگی اور ہر ایک دوسرے پر لعنت کر رہا ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، یہ تکمیلِ نعمت پر اظہارِ شکر ہے کہ اہلِ جنت جب دیکھیں گے کہ ہر طرف نعمت ہی نعمت ہے تو بے تحاشا ان کی زبان سے یہ شکر کا کلمہ نکلے گا۔

۲۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۱۱-۱۹

آگے پہلے منکرین و مکذبین کے اس مطالبہ کا جواب دیا ہے جو وہ عذاب کے لیے کر رہے تھے کہ اگر جزا اور سزا ایسی ہی اٹل چیز ہے اور ہم اپنے اعمال کے باعث اس کے مستحق ہو ہی چکے ہیں تو اس عذاب کا کوئی نمونہ دکھا کیوں نہیں دیتے جس کی دھمکی سنا رہے ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کا حوالہ دیا کہ خدا رحمت میں سبقت کرتا ہے، قہر کرنے میں وہ بڑا دھیما ہے۔ اگر قہر کرنے میں بھی وہ ویسی ہی جلدی کرنے والا ہوتا، جیسا کہ فضل و رحمت کے معاملے میں ہے تو کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انسان کی اس جلد بازی کی حقیقت واضح کی ہے کہ وہ مطالبہ تو عذاب کا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کرتا ہے لیکن جب ذرا خدا کی پکڑ میں آ جاتا ہے تو واویلا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جوں ہی ذرا ڈھیل ملتی ہے اسی طرح اکڑنے لگتا ہے۔ ایسے لوگ ہدایت کسی صورت میں بھی قبول نہیں کرتے۔ پھر ان کو تاریخ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ پچھلی قوموں کی سرگزشت میں، جن کے تم جانشین ہوئے ہو، کافی سامان عبرت موجود ہے، آخر ان کے حالات سے کیوں سبق نہیں لیتے، یہ کیوں ضروری سمجھتے ہو کہ وہی انجام تمہارا بھی ہو جو ان قوموں کا ہوا۔

اس کے بعد ان کے اس مطالبہ کا جواب دیا ہے جو وہ قرآن کو یکسر بدل دینے یا کم از کم اس میں ایسی ترمیم کے لیے کر رہے تھے جس کے بعد وہ ان کے لیے گوارا ہو سکے۔ وہ توحید کی تعلیم اور جزا و سزا اور قہر و عذاب کی دھمکی سننے کے لیے تیار نہیں تھے اس وجہ سے کہتے تھے کہ اگر ہم سے منوانا ہے تو اس کتاب کی جگہ دوسری کتاب لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو، بغیر اس کے ہم اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے جواب میں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا کہ یہ میری بات نہیں ہے کہ میں اس میں کوئی ترمیم کروں۔ یہ تو خدا کی طرف سے ڈالی ہوئی ایک ذمہ داری ہے جو مجھے اٹھانی پڑی ہے۔ اگر اس کا کوئی امکان ہوتا کہ میں اس ذمہ داری سے بچ سکوں تو میں کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہونے دیتا۔ میں نے تمہارے اندر ایک طویل زندگی گزاری ہے اور تم جانتے ہو کہ میں سیادت و امارت کا طالب کبھی نہیں رہا تو اس عمر میں آکر آخر خدا پر ایک افترا کی ذمہ داری میں کس طرح لے سکتا ہوں۔

آخر میں عقیدہ شرک کی لغویت واضح کی ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس چیز کی حمیت و حمایت میں قرآن سے بیزاری ہے وہ محض ایک خیال باطل ہے جس کا وجود نہ کہیں آسمان میں ہے، نہ زمین میں —— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۱-۱۹

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ
فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾ وَإِذَا
مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ
لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي
الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ
آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ
بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا
مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ
لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ
عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ
اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً
فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَھُمْ فِيْمَا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ آیات ۱۱ - ۱۹

اگر اللہ لوگوں کے لیے عذاب کے معاملے میں ویسی ہی سبقت کرنے والا ہوتا جس طرح وہ ان کے ساتھ رحمت میں سبقت کرتا ہے تو ان کی مدت تمام کر دی گئی ہوتی۔ تو ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے رہنے کے لیے ڈھیل دے دیتے ہیں۔ اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو لیٹے، بیٹھے یا کھڑے ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے گویا کسی تکلیف کے لیے، جو اس کو پہنچی، اس نے ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حدود سے تجاوز کرنے والوں کی نگاہوں میں ان کے اعمال کھبا دیے گئے ہیں۔ ۱۱-۱۲

اور ہم نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کیا جب کہ وہ ظلم کی مرتکب ہوئیں۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔ پھر ہم نے ان کے بعد تم کو ملک میں ان کا جانشین بنایا کہ دیکھیں تم کیسا عمل کرتے ہو۔ ۱۳-۱۴

اور جب ہماری کھلی ہوئی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات

کے متوقع نہیں ہیں، کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ترمیم کرو۔ کہہ دو مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے۔ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہہ دو اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو نہ میں اس کو تمھیں سناتا اور نہ وہ اس سے تمھیں باخبر کرتا۔ میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک مجرم فلاح پانے والے نہیں بنیں گے۔ ۱۵-۱۷

اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہہ دو، کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا اس کو خود پتہ نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ وہ پاک اور ارفع ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور لوگ تو ایک ہی امت تھے۔ پھر انھوں نے اختلاف کیا۔ اور اگر تمھارے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس امر میں فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ ۱۸-۱۹

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱۱)

عذاب کے لیے جلدبازی کا جواب

یہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، جواب ہے عذاب کے لیے کفار کی جلد بازی کا۔ جب ان کو آیاتِ الٰہی کی تکذیب کے انجام سے ڈرایا جاتا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے کے لیے فوراً یہ مطالبہ کرتے کہ اگر تم سچے رسول ہو اور تمھارے خیال کے مطابق تمھاری تکذیب مستوجب عذاب ہے تو اس عذاب کے لانے

میں تاخیر نہ کرو۔ ہم اس کے دیکھنے کے لیے بیقرار ہیں۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ سنت الٰہی یوں ہے کہ اللہ رحمت کرنے میں تو جلدی کرتا ہے لیکن عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ میں استعجال ہمارے نزدیک اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا چونکہ اصلاً اپنی رحمت ہی کے لیے خلق فرمائی ہے اس لیے وہ لوگوں پر رحمت نازل بھی فرماتا ہے اور لوگوں سے یہ چاہتا بھی ہے کہ وہ فرصت ختم ہونے سے پہلے پہلے اس کی رحمت کے قدردان بنیں اور نیکی اور سعادت کی وہ راہ اختیار کریں جو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کو خدا کے فضل و رحمت کا مستحق بنائے۔ اس سنت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان لوگوں پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہ کرے جو اس کے آگے اکڑتے اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ...... الآیۃ: یہ مذکورہ سنت الٰہی کا تقاضا بیان ہوا ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ نافرمانی اور طغیان کے باوجود لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مہلت اور ڈھیل دی جائے تاکہ کسی درجے میں بھی اصلاح حال کا کوئی امکان ہو تو لوگ اپنی اصلاح کر لیں اور اگر اصلاح نہ کریں تو ان پر اللہ کی حجت اس طرح تمام ہو جائے کہ روزِ آخرت کی پیشی کے وقت، جس سے وہ بالکل نچنت ہیں ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۲)

سرکشوں کی فطرت

'انسان' کا لفظ ہرچند عام ہے لیکن اس سے مراد وہی متمردین قریش ہیں جو عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے ان کو لائق خطاب نہیں سمجھا اس وجہ سے بات عام الفاظ میں فرما دی۔ یہ ان کی اس اکڑ پر ایک ضرب بھی ہے اور اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس قسم کے لوگوں کا مطالبۂ عذاب پورا کر دیا جائے تو وہ ایمان لائیں گے۔ اس قسم کے لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب یہ کسی پکڑ میں آتے ہیں تب تو یہ خدا خدا پکارتے ہیں اور سو سو طرح سے توبہ کا عہد و پیمان باندھتے ہیں لیکن ذرا ڈھیل مل جاتی ہے تو وہی سرمستی ان پر پھر عود کر آتی ہے اور انھیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کبھی پکڑ میں آئے تھے اور انھوں نے اس سے چھوٹنے کے لیے خدا کو پکارا بھی تھا۔ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی یہ جو کلمہ بیان ہوا ہے یہی ٹھیک ٹھیک ان سرکشوں اور حدود الٰہی سے ان تجاوز کرنے والوں پر منطبق ہوتا ہے۔ یہ جو بداعمالیاں کرتے رہے ہیں، سنت الٰہی کے تحت وہ ان کی نگاہوں میں اس طرح کھبا دی گئی ہیں کہ اگر ان کی طلب کے مطابق کوئی نشانی عذاب ان کو دکھا بھی دی جائے تو اس کی گرفت سے چھوٹتے ہی پھر یہ اسی کیچڑ میں لوٹیں گے جس میں لوٹ رہے ہیں۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۱۳-۱۴)

تاریخ کی شہادت

یہ جواب قریش کو مخاطب کر کے، تاریخ کی روشنی میں دیا گیا ہے کہ آخر دوسروں کو جو کچھ اسی ملک کی تاریخ کے مختلف ادوار میں پیش آچکا ہے اس سے سبق کیوں نہیں لیتے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ وہی کچھ تم پر گزر جائے تب تمھاری سمجھ میں بات آئے کہ جو کچھ تم سے کہا گیا وہ ٹھیک ہے۔ یہاں حوالہ اجمالی ہے۔ اسی سورہ میں آگے بعض اہم تاریخی واقعات کی تفصیل بھی آرہی ہے۔ 'لَمَّا ظَلَمُوْا' سے مراد یہاں ان قوموں کا وہ ظلم ہے جو انھوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے خود اپنے اوپر ڈھایا۔ 'وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا' اسی ظلم کی تفصیل ہے۔ 'كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ' یعنی جو قومیں اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی ہیں ہم ان کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہی جرم تم کرو گے تو آخر اس کی سزا سے کیسے بچ جاؤ گے۔

'ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ ...... الاٰیۃ' یعنی جب تم انہی کے جانشین ہوئے ہو تو آخر تمھارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا؟ ان کو ہٹا کر خدا نے تم کو ان کی جگہ تو اس لیے دی تھی کہ دیکھے تم کیا بناتے ہو؟

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۵)

مخالفین کی شکست خوردگی

یعنی توحید اور آخرت کی یہ باتیں، جو مذکور ہوئیں، نہایت واضح دلائل کے ساتھ ان کو سنائی جاتی ہیں تو یہ ان سے چڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا تو اس قرآن کی جگہ کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں ایسی ترمیم کرو کہ ہمارے لیے گوارا ہو سکے۔ گویا قرآن ان کے نزدیک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے کہ آپ اس میں ان کے مطالبے کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر سکتے ہیں۔ یہ مطالبہ مخالفین کی شکست خوردگی کی دلیل تھا۔ وہ یہ تو مان چکے تھے کہ قرآن سے اب پیچھا چھڑانا ممکن نہیں رہا۔ اب اگر کوئی شکل باقی ہے تو یہ ہے کہ اس کا مقام تسلیم کرتے ہوئے اس میں ایسی ترمیم کرانے کی کوشش کی جائے جس کے بعد ان کے لیے بھی وہ قابل قبول ہو سکے۔ جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلایا گیا کہ یہ میری کوئی اپنی تصنیف تھوڑے ہی ہے کہ میں اس میں اپنی جانب سے کوئی ترمیم و تنسیخ کر دوں۔ یہ کلام تو مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتا ہے اور میں بے چون و چرا اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ اگر میں اس میں اپنی طرف سے کوئی ردوبدل کر دوں تو کل کو خدا کے آگے کیا جواب دوں گا۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۶-۱۷)

'اَدْرٰىكُمْ'، 'دَرٰى يَدْرِيْ' سے باب افعال اور غائب کا صیغہ ہے۔ فاعل اس کا اللہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو 'مَا تَلَوْتُهٗ' سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کا ترجمہ متکلم کا کیا ہے لیکن یہ عربیت کے بالکل خلاف ہے۔

مسکت جواب

اب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کفار کے مطالبے کے پہلے ٹکڑے کا جواب دلوایا ہے۔

یعنی اس بات کا کہ اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ۔ فرمایا کہ تم گمان کرتے ہو کہ میں نے یہ قرآن تمہارے سامنے اپنے شوق سے پیش کیا ہے اور اس رنگ میں میں نے تم پر اپنی سیادت اور نبوت جمانی چاہی ہے۔ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ میں نے اس بارگراں کا نہ کبھی ارمان کیا اور نہ اپنے شوق سے اس کو اٹھایا ہے۔ میں اس ذمہ داری کی گراں باریوں سے سب سے زیادہ بھاگنے والا رہا ہوں۔ لیکن مشیت الٰہی یہی ہوئی کہ میں یہ بوجھ اٹھاؤں۔ اگر خدا کی مشیت نہ ہوتی تو نہ میں اس چیز کو تمہارے سامنے پیش کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے تم کو اعلام و انذار کرتا۔

پیغمبر کی تاریخ سے استدلال

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ یہ اوپر والی بات کی ایسی سادہ اور مسکت دلیل ہے کہ کوئی ایماندار آدمی اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔ ارشاد ہوا کہ میں تم میں کوئی نووارد آدمی نہیں ہوں جس کے ماضی و حاضر سے تم بے خبر ہو۔ میں تمہارے اندر زندگی کے چالیس سال گزار چکا ہوں۔ اس طویل مدت میں کب تم نے میری طرف سے کسی جھوٹ یا فریب کا تجربہ کیا ہے۔ کب تم نے میرے اندر سیادت و امارت کی لو محسوس کی ہے، کب تم نے پایا ہے کہ میں اونچے اونچے خواب دیکھتا ہوں اور اپنی بڑائی کی دھونس جمانے کا شوق رکھتا ہوں؟ آدمی کا مزاج راتوں رات نہیں بنتا اور نہ کردار ایسی چیز ہے جو اتنی طویل باہمی معاشرت کے باوجود نگاہوں سے مخفی رہے۔ جس شخص نے خلق میں سے کسی سے جھوٹ نہ بولا ہو آخر وہ خالق پر اتنا بڑا جھوٹ باندھنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے؟ آج تک تم مجھے صادق اور امین سمجھتے رہے تو اب میں راتوں رات برخود غلط، خود نما، لپاٹیا اور مفتری کیسے بن گیا؟ خدا کے بندو عقل سے کام لو۔ انصاف سے غور کرو اور ضد و عناد میں اندھے نہ بن جاؤ ——— اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کی زندگی شرف رسالت سے ممتاز ہونے سے پہلے بھی ایسی بے داغ ہوتی ہے کہ ان کے مخالفین اس پر انگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں پاتے اور یہ چیز ان کے دعوے کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہوتی ہے۔

رسول کے لیے غلبہ لازمی ہے۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی ...... الآیہ۔ یعنی اگر میں خدا پر افترا کر رہا ہوں اور جھوٹا دعوائے نبوت لے کر اٹھا ہوں تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں اور اگر میں سچا ہوں اور تم اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو تو تم سے بڑا کوئی ظالم نہیں۔ اب مستقبل فیصلہ کرے گا کہ ظالم تم ہو یا میں۔ یہ یاد رکھو کہ جو مجرم ہوں گے وہ فلاح نہیں پائیں گے ——— یہاں وہ بات یاد رکھنے کی ہے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ اللہ کے رسولوں اور ان کے مخالفین کے مابین حق و باطل کی جو کشمکش برپا ہوتی ہے وہ لازماً حق کے غلبہ پر منتہی ہوتی ہے اس لیے کہ رسول خدا کی عدالت ہوتا ہے اور اس کے لیے بفحوائے لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی غلبہ لازمی ہے۔

وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـــُٔوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ وَمَا

كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۸-۱۹)

مشرکین مکہ کی اصلی چڑ

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ..... الاٰیۃ۔ یہ اس خاص چیز کا حوالہ بھی ہے جس کے سبب سے مشرکین مکہ قرآن سے چڑتے اور اس میں ترمیم کا مطالبہ کرتے تھے اور اللہ پر افترا کی ایک مثال بھی ہے جو دلیل ہے اس بات کی کہ عند اللہ سب سے بڑے ظالم یہی ہیں اس لیے کہ یہ ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو ان کو ضرر پہنچا سکیں نہ نفع اور ان کی نسبت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارشی ہیں، دنیا میں ہمیں آل و اولاد اور رزق و مال جو کچھ ملتا ہے انہی کی سفارش سے ملتا ہے اور اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی یہ ہمیں بخشوائیں گی۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ اہل عرب، اپنے معبودوں کو نہ خدا کی ذات میں شریک مانتے تھے نہ کسی کو خالق و مالک کا درجہ دیتے تھے بلکہ صرف ان کو خدا کے چہیتوں کا درجہ دیتے اور ان کی سفارش کی امید پر ان کی پرستش کرتے تھے۔

عربیت کا ایک خاص اسلوب

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ۔ یہ نفی الشیٔ بنفی لازمہ کے اسلوب پر ان فرضی سفارشیوں کی تردید ہے۔ یعنی ان کے ان فرضی سفارشیوں کا آسمان و زمین میں کوئی وجود ہوتا تو سب سے زیادہ ان سے باخبر تو خود اللہ تعالیٰ ہوتا جس کے وہ مقرب اور چہیتے ٹھہرائے جاتے ہیں۔ لیکن خدا کو تو ان کا کوئی پتا نہیں ہے، بس یہی لوگ ان کا سراغ بھی دے رہے ہیں اور یہی ان کو آسمان پر بھی چڑھا رہے ہیں۔ بعینہٖ یہی مضمون رعد آیت ۳۳ میں بھی ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (اور انھوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں، ان سے کہو کہ ذرا ان کے نام تو لو، کیا تم اس کو ایسی چیز کا پتہ دے رہے ہو جس کے زمین میں وجود کا اس کو خود علم نہیں یا یوں ہی ہوائی بات کر رہے ہو) عربیت کے اس اسلوب کی مثالیں کلام عرب میں موجود ہیں۔ امرؤالقیس نے ایک صحرائی راستہ کی تعریف کی ہے کہ 'لایھتدی بمنارہ' اس کی برجیوں سے رہنمائی نہیں حاصل کی جاتی۔ جس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اس میں برجیاں اور مینارے سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو لازماً ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی۔

تردید شرک کی ایک دلیل

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ صرف تنزیہہ کا کلمہ نہیں ہے بلکہ رد شرک کی ایک بہت بڑی دلیل بھی ہے۔ وہ یوں کہ کسی شے کی بنیادی صفات کے ساتھ کسی ایسی صفت کا جوڑ ملانا خلاف عقل ہے جس سے بنیادی صفات میں سے کسی صفت کی نفی ہوتی ہو یا اس سے کوئی تضاد لازم آتا ہو۔ شرک ہر شکل میں یا تو خدا کی بنیادی مسلّم صفات میں سے کسی صفت کی نفی کرتا ہے یا اس سے تضاد لازم آتا ہے۔

توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ یہ توحید کے حق میں تاریخی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ہمیشہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے لوگوں کو ایک ہی دین توحید کی تعلیم دی اور ایک ہی امت بنایا۔ لیکن لوگوں نے بعد میں اس میں اختلاف پیدا کر کے کج پیچ کی بہت سی راہیں نکال لیں اور مختلف امتوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ آج شرک و ضلالت کے مختلف طریقوں کی موجودگی سے کوئی یہ دلیل نہ پکڑے کہ یہ راستے بھی خدا اور رسول کے بتائے ہوئے ہیں۔ ان کو خدا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ گمراہوں کی اپنی ایجاد سے ظہور میں آئے ہیں —— ضمناً اس سے جدید فلسفیوں کے اس نظریہ کی بھی تردید ہوگئی کہ انسان نے دین کا آغاز شرک سے کیا پھر درجہ بدرجہ ارتقاء کرتے ہوئے توحید تک پہنچا۔ قرآن اس کے بالکل برعکس یہ کہتا ہے کہ خدا نے شروع ہی سے انسان کو توحید کی تعلیم دی لیکن گمراہوں نے اس میں اختلاف پیدا کر کے فتنے کھڑے کر دیے۔ ہم نے فلسفۂ جدید کے اس باطل نظریہ کی تردید اپنی کتاب "حقیقت توحید" میں تفصیل سے کی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ...... الآیۃ۔ یعنی اس اختلاف کے فیصلہ کے لیے آخرت کا دن خدا کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے۔ اگر یہ دن مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو آج ہی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔

۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۲۰-۲۷

آگے کفار کے مطالبۂ عذاب کا حوالہ دے کر اس کا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ عذاب کی کوئی نشانی مانگتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس طرح کی کوئی نشانی ان کو دکھا دی گئی تو وہ ضرور ہی ایمان لائیں گے لیکن حالت یہ ہے کہ اس طرح کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو جب تک اس کی گرفت میں ہوتے ہیں اس وقت تک تو انھیں خدا یاد آتا ہے۔ لیکن جوں ہی ذرا ڈھیل ملی تو پھر اپنی سرمستیوں میں اس طرح کھو جاتے ہیں گویا کوئی بات سرے سے پیش ہی نہیں آئی۔ ایسے لوگوں کو کوئی مزید نشانی دکھانے سے کیا حاصل؟

پھر کفار کا یہ مغالطہ دور فرمایا ہے کہ آج تمھارے حالات سازگار ہیں اور ہر طرف فراغت و رفاہیت کے سر و سامان کی فراوانی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب تم خدا کی گرفت سے باہر ہو اور تمھیں کوئی گزند پہنچ ہی نہیں سکتا۔ خدا کے قہر کی بجلی تو اس وقت گرتی ہے جب مستحق عذاب قوم اپنے حالات میں اتنی مگن ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اب آسمان یا زمین سے کوئی خطرہ اسے پیش آ ہی نہیں سکتا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ آیات ۲۰-۲۷
فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ ع ۲
رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ

اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي
يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ
بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ
مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا
أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا
بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ
أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ
وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا
أَنَّهُمْ قٰدِرُونَ عَلَيْهَا ۙ أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيدًا
كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾
وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۖ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ
قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٦﴾ وَ
الَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا
لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ الَّيْلِ
مُظْلِمًا ۚ أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٧﴾

ترجمۂ آیات ۲۰ - ۲۷

اور وہ کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ تو تم جواب دے دو کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے تو تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہو ہم اسے اپنے فضل سے نوازتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتا ہے۔ کہہ دو، خدا اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے فرستادے ان کو نوٹ کر رہے ہیں۔ ۲۰-۲۱

وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں ہوائے موافق سے چل رہی ہوتی ہیں اور وہ اس میں مگن ہوتے ہیں کہ دفعتہً ایک بادِ تند آتی ہے اور ان پر ہر جانب سے موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم ہلاک ہوئے تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں خالص اسی کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے کہ اگر تو نے ہمیں اس آفت سے نجات دی تو ہم تیرے شکرگزار بندوں میں سے ہو کر رہیں گے تو جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے وہ نجات پاتے ہی زمین میں، بلا کسی حق کے، سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو، تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے ہی اوپر آنے والا ہے۔ چند دن دنیا کی زندگی کا نفع اٹھا لو، پھر تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہے، پھر ہم تمہیں تمہاری کرتوتوں سے آگاہ کریں گے۔ اس دنیا کی زندگی کی تمثیل یوں ہے جیسے بارش کہ ہم نے اسے آسمان سے برسایا پس اس سے زمین کی نباتات خوب اپجیں، وہ بھی جن کو لوگ کھاتے ہیں اور وہ بھی جن کو چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا پورا بناؤ سنگھار کر لیا اور زمین والوں نے گمان کیا کہ اب معاملہ ہمارے قابو میں ہے تو دفعتہً اس پر ہمارا قہر رات کو یا دن کو آ دھمکا اور ہم نے اس طرح

اس کا ستھراؤ کر دیا کہ گویا کل کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کریں۔ ۲۲-۲۴

اور اللہ امن و سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اس پر مزید بھی اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت۔ یہی جنت والے لوگ ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور جنھوں نے بدیاں کمائی ہوں گی تو برائی کا بدلہ اس کے مثل ہے اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اللہ سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہرے شب دیجور کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں، یہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۵-۲۷

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (۲۰)

مطالبۂ عذاب کا جواب

'آیت' سے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ نشانی عذاب مراد ہے۔ قرآن ان کو دو عذابوں کی خبر دے رہا تھا۔ ایک رسول کی تکذیب کی صورت میں اس دنیا میں، دوسرا عدم ایمان کی صورت میں آخرت میں۔ سادات قریش کے پندار پر اس سے بڑی چوٹ پڑتی تھی اور یہ چیز بھی منجملہ ان چیزوں کے تھی جن کی وجہ سے وہ قرآن کے بدلنے یا اس میں ترمیم کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس باب میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے کے لیے یہ کہتے کہ اگر یہ اپنی اس دھمکی میں سچے ہیں تو آخر یہ اس عذاب کا نمونہ دکھاتے کیوں نہیں جس کی اس شدومد سے منادی کرتے پھر رہے ہیں؟ جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا گیا کہ عذاب لانا میرا کام نہیں ہے۔ عذاب کی خبر خدا نے دی ہے۔ میں تم کو اس سے خبردار کر رہا ہوں۔ رہی یہ بات کہ عذاب کب اور کس شکل میں آئے گا تو یہ امور غیب ہیں، ان کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ۔ اگر تم اس کے طلبگار ہو تو انتظار کرو، میں بھی خدا کی دی ہوئی خبر کی بنا پر اس کے انتظار میں ہوں۔ 'انتظار میں ہوں' سے یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کو اپنی قوم کو مبتلائے عذاب الٰہی دیکھنے کا ارمان تھا۔ حضرات انبیاؑ اپنی قوم کو عذاب سے بچانے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں لیکن جب قوم اپنی ضد کے سبب سے اپنے اندر وہ تما

اسباب و علامات جمع کر لیتی ہیں جن کے بعد عذاب آیا کرتا ہے تو قدرتی طور پر نبی کے دل کو بھی ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اب مریض کا دم واپسیں ہے اور خدا کا حکم آیا ہی چاہتا ہے۔ اس انتظار میں تمنا کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ حسرت و اندوہ کے ساتھ ایک امر شدنی کا انتظار ہوتا ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (۲۱)

کفار کی چالیں

'وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ'۔ یہ حال تو قریش ہی کا بیان ہو رہا ہے لیکن بات عام خطاب کے اسلوب میں کہہ دی گئی ہے تاکہ ان سے بے التفاتی کا اظہار بھی ہو جائے اور یہ حقیقت بھی سامنے آ جائے کہ اس باب خاص میں جو حال ان کا ہے وہی حال سب کا ہے۔ صرف صاحب توفیق ہی ہوتے ہیں جو اس سے الگ روش اختیار کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اس قسم کی تنبیہی نشانیاں جو لوگوں کو دکھائی جاتی ہیں ان کا کچھ اثر بس اسی وقت تک رہتا ہے جب تک لوگ اس کی زد میں رہتے ہیں۔ جوں ہی حالات بدلے، محسوس ہوا کہ کشتی گرداب سے باہر نکل آئی، فوراً لیڈر اپنے عوام کے دلوں پر سے اس ابتلا کے تمام اثرات مٹانے کے لیے طرح طرح کے فلسفے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور مختلف قسم کی چالوں سے خود بھی اپنی پچھلی سرمستیوں میں کھو جاتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی اپنے ساتھ ہانک لے جاتے ہیں۔

'إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا'۔ لفظ 'مکر' کی تحقیق آل عمران کی آیت 'وَمَكَرُوا۟ وَمَكَرَ ٱللَّهُ' کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ 'مکر' کے معنی خفیہ تدبیر اور چال بازی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کے باب میں کفار نے جو چال بازی کی اس کی ایک مثال تو یہیں آگے والی آیت میں بیان ہو گئی ہے۔ 'لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ' (اگر تو نے ہم کو اس ہلاکت سے نجات دے دی تو ہم تیرے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے لیکن جب ان کو نجات دے دی تو پھر وہ زمین میں سرکشی کرنے لگے) دوسری مثال اس 'قَدْ مَسَّ ءَابَآءَنَا ٱلضَّرَّآءُ وَٱلسَّرَّآءُ' والی آیت میں بیان ہوئی ہے یعنی ان کے لیڈر اپنے کو تسلی دیتے اور اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے ضمیر کے بالکل خلاف تاریخ کا یہ فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس قسم کے نرم گرم حالات تو قوموں کی زندگی میں پیش آیا ہی کرتے ہیں، ہمارے بزرگوں کو بھی پیش آئے، ہمیں بھی پیش آ رہے ہیں۔ ان کو خواہ مخواہ یہ اہمیت کیوں دی جائے کہ یہ خدا کی طرف سے بطور تنبیہ پیش آئے ہیں یا ان کا کوئی تعلق ہمارے اعمال و عقائد سے ہے۔

'قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا'۔ 'مکر' کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم خفیہ تدبیر ہو جاتا ہے۔ ہم آل عمران کی مذکورہ بالا آیت کے تحت اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کر آئے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم چالیں چلنی چاہتے ہو تو خوب چل لو، خدا نے تم کو جو یہ ڈھیل دے رکھی ہے تو اس وجہ سے دے رکھی ہے کہ اس کو اپنی تدبیر کے بروئے کار لانے میں کوئی وقت صرف نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تدبیر

آناً فاناً بروئے کار آتی ہے اور اتنی محکم ہوتی ہے کہ کوئی اس سے بچ کے نکل نہیں سکتا۔ 'اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ' سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمھاری ایک ایک چال ہمارے فرشتے نوٹ کر رہے ہیں۔ کوئی چیز ہم سے مخفی نہیں۔ وقت آنے پر ہم اس کا نوٹس لیں گے پھر تمھاری ساری چالیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۔ فَلَمَّآ اَنْجٰىھُمْ اِذَا ھُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۲-۲۳)

'یُسَیِّرُکُمْ' 'تسییر' کے معنی چلانے کے ہیں۔ یہاں یہ سفر کرانے کے معنی میں آیا ہے۔ چونکہ تمام وسائل سفر اللہ خدا ہی کے پیدا کردہ ہیں اور وہ تدبیر و حکمت بھی خدا ہی کی عطا کردہ ہے جس سے کام لے کر انسان خشکی و تری کے سفر کے وسائل ایجاد کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اس وجہ سے فرمایا کہ وہی تمھیں خشکی و تری میں سفر کراتا ہے تاکہ انسان کی نگاہ اسباب و وسائل ہی میں اٹک کر نہ رہ جائے بلکہ اسباب و وسائل پیدا کرنے والے تک پہنچے۔

'فِی الْفُلْکِ' ۔ 'فُلْک' کے معنی کشتی کے ہیں۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ مذکر، مونث، واحد جمع، سب کے لیے آتا ہے، چنانچہ یہاں اس کے لیے فعل 'جَرَیْنَ' جمع استعمال ہوا ہے۔

'وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ' ۔ 'رِیْحٌ طَیِّبَۃٌ' سے سازگار ہوا مراد ہے۔ اس کا مقابل لفظ 'رِیْحٌ عَاصِفٌ' استعمال ہوا ہے جو طوفانی ہوا کے لیے آتا ہے۔ اوپر سے بات صیغۂ خطاب میں آ رہی ہے۔ یہاں سے اسلوب غائب کا ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ تمثیل ہے اور تمثیل کے لیے اسلوب بیان عمومی ہی موزوں اور مؤثر ہوتا ہے۔

'وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ' ۔ 'بغی' استکبار کا نتیجہ ہوتی ہے اور استکبار صرف اس کے لیے روا ہے جس کا خلق و تدبیر میں کوئی حصہ ہو۔ جو خود مخلوق اور ہر چیز میں خالق کے رحم و کرم کا محتاج ہو اس کے اکڑنے اور وہ بھی اپنے خالق کے سامنے کے کیا معنی! اس وجہ سے یہ بغی بغیر حق ہے۔

'یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ' میں خطاب پھر قریش سے ہو گیا اور 'مَتَاعَ الْحَیٰوۃِ' میں لفظ 'متاع' فعل محذوف سے منصوب ہے۔

ایک حقیقت افروز تمثیل

اجزا کی تشریح کے بعد اب نفس آیت کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ یہ اوپر والی آیت میں بیان کردہ حقیقت کی تمثیل ہے۔ اوپر فرمایا تھا کہ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو کسی دکھ کے بعد سکھ پہنچاتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں سے صحیح فائدہ اٹھانے کے بجائے ہم سے چال بازیاں کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو انسانی زندگی کے ایک عام اور روز مرہ واقعہ سے مثال دے کر سمجھایا ہے کہ جس طرح ایک کشتی کے مسافر سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو جب

ہوا موافق ہوتی ہے اور کشتی نہایت سکون سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتی ہے تو سب مگن ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب ان کی اس خوشی میں کوئی خلل انداز ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ کسی گوشے سے طوفانی ہوا اٹھتی ہے اور موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی اس طرح ہچکولے کھانے لگتی ہے کہ ہر شخص یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اب ڈوبی کہ تب۔ اس نازک وقت میں سب خدا سے دعا و فریاد اور یہ عہد کرتے ہیں کہ اب اگر اس ورطۂ ہلاکت سے خدا نے نجات دے دی تو ہم آیندہ اس کے شکرگزار اور فرمانبردار بندے بن کر زندگی بسر کریں گے۔ لیکن جب خدا ان کو اس گردش سے نجات دے دیتا ہے تو اپنا یہ عہد بھول کر پھر اپنی پچھلی سرمستیوں اور شرارتوں میں کھو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہی حال اس وقت ان لوگوں کا ہے جو عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس وقت زندگی کا سفینہ نہایت سکون سے رواں ہے، حالات سازگار ہیں۔ اس وجہ سے اپنی شرارتوں میں مگن ہیں۔ پیغمبر ان کو خدا کی پکڑ سے ڈراتا ہے تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ عذاب کیوں آ جائے گا اور کدھر سے آ جائے گا۔ چنانچہ بڑی ڈھٹائی سے پیغمبر کو چیلنج کر رہے ہیں لیکن جب کسی گرفت میں آ جائیں گے تو توبہ توبہ پکاریں گے لیکن وہ اپنی اس توبہ پر صرف اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک گرفت میں رہیں گے۔ گرفت سے باہر ہوتے ہی پھر اسی طرح اکڑنے لگیں گے گویا خدا کی خدائی سے باہر ہو گئے۔ مدعا یہ کہ کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اس طرح کے لوگوں کو کسی تنبیہ سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان کے دلوں کا زنگ کسی رگڑے سے بھی دور نہیں ہوتا۔ اس طرح کے اشقیا صرف خدا کے فیصلہ کن عذاب ہی کے حوالہ ہوتے ہیں۔

قریش کو تہدید

'یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ' تمثیل کے بعد یہ قریش کو پھر خطاب کیا ہے اور یہ خطاب اپنے اندر نہایت سخت تہدید و وعید رکھتا ہے۔ 'اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ' یعنی تمھاری اس شرارت و سرکشی سے نہ خدا کا کچھ بگڑے گا نہ رسول کا۔ بگڑے گا تمھارا ہی۔ تمھاری ہر سرکشی تم پر خدا کی حجت پوری کرے گی اور تم جتنے قدم اس راہ میں بڑھو گے اتنے ہی خدا کے فیصلہ کن عذاب سے قریب تر ہو گے۔ 'مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا' یعنی اس دنیا کے جس سر و سامان پر ریجھے ہوئے ہو اس سے کچھ دن فائدہ اٹھا لو لیکن یاد رکھو کہ واپسی ہماری ہی طرف ہے، کسی اور کی طرف نہیں ہے۔ اس وقت ہم تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے سامنے رکھ دیں گے اور تمھارا کوئی سفارشی تمھارے کچھ کام نہ آئے گا۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۴)

حیاتِ دنیا کی تمثیل

'اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا' یہ اس حیاتِ دنیا کی تمثیل ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں 'مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا' کے الفاظ سے ہوا ہے جس پر کفار ریجھے ہوئے ہیں اور اس کو اس قدر مامون سمجھے ہوئے تھے کہ اس میں کسی رخنے کا ان کو امکان ہی نظر نہیں آتا تھا۔

'فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ' 'اختلاط' کے معنی کسی شے کے باہمدگر مل جانے اور گتھم گتھا ہو جانے کے ہیں۔ یہ فصلوں اور نباتات کے خوب اپجنے کی تعبیر ہے اس لیے کہ سازگار بارش سے جب فصل نشو و نما پاتی ہے تو وہ باہمدگر مل کر خوب گھنی ہو جاتی ہے۔ 'مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ' یعنی ہر نوع کی نباتات خوب اپجیں، وہ بھی جو انسانوں کے کام آتی ہیں اور وہ بھی جو مویشیوں کے مصرف کی ہوتی ہیں۔

'اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ' 'زخرف' حسن، زینت اور ملمع کو کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ زمین کی گوناگوں و بوقلموں نباتات کے لیے بھی آتا ہے۔ 'اِزَّيَّنَ' اور 'تَزَيَّنَ' ایک ہی مفہوم کے لیے آتے ہیں۔

'وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ' یعنی جب فصل اپنے جوبن پر ہوتی ہے، ان کے مالکوں کے دل حوصلہ اور امنگ سے لبریز ہو جاتے ہیں کہ اب کیا اندیشہ ہے، اب تو بازی ہماری ہے۔

'اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ' 'امر' یہاں عذاب کے مفہوم میں ہے۔ 'لَيْلًا اَوْ نَهَارًا' یعنی رات یا دن میں جس وقت بھی ہم نے چاہا اپنا عذاب بھیج دیا، کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔ 'حَصِيْد' کاٹی ہوئی فصل کو کہتے ہیں 'كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ' یعنی اس طرح ستھراؤ کر دیا کہ ع گویا کہ ان تلوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا۔

خدا کی پکڑ دورِ عروج میں ہوتی ہے

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی زندگی جس کو تم بہت کامیاب اور مامون سمجھ رہے ہو، اس کے غرّے میں خدا کو چیلنج نہ کرو۔ جس طرح دیکھتے ہو کہ بارش ہوتی ہے۔ فصل اپجتی ہے۔ باغ پھلتے ہیں۔ ان کے مالک ان کو دیکھ کر پھولے نہیں سماتے کہ دفعۃً قہرِ الٰہی کا کوئی جھونکا آتا ہے اور سب کو خس و خاشاک کی طرح اڑا دیتا ہے اسی طرح جب ہمارا فیصلہ صادر ہو جائے گا ہم تمھیں، عین اسی حالت میں جس کو تم اپنی ترقی اور عروج کا دور خیال کیے بیٹھے ہو، دھر لیں گے اور تم ہمارے مقابلے میں کچھ نہ کر سکو گے۔ تم عذاب کی نشانی دیکھنا چاہتے ہو تو اس دنیا میں جو نشانیاں ہماری آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہیں ہم ان کی تفصیل تمھیں سنا رہے ہیں۔ جن کے اندر غور کرنے کی صلاحیت ہے وہ ان پر غور کریں۔ عاقل وہ ہے جو دوسروں کے حالات سے سبق لے، نہ کہ اس وقت آنکھ کھولے جب خود اپنے سر پر گزر جائے۔ سورۂ قلم کی آیات ۱۷-۲۶ میں باغ والوں کی جو تمثیل بیان ہوئی ہے اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن قوموں پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے ان کو وہ عین دورِ عروج میں پکڑ لیتا ہے۔ اس لیے کہ خدا کے ہاں اصلی اہمیت عقائد و اعمال کی ہے نہ کہ مادی اسباب و وسائل کی۔ اگر ایک قوم اخلاقی اعتبار سے گر چکی ہے تو اسباب و وسائل کی فراوانی اس کو سہارا دینے کے بجائے اس کے زوال کی رفتار کو اور تیز کر دیتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثْلِھَا وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْھُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (۲۵-۲۷)

'وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ'، سلام کے معنی سکھ اور چین کے ہیں۔ اس سے مراد جنت ہے اس لیے کہ وہی ایسی جگہ ہے جہاں پہنچ جانے کے بعد آدمی کے لیے نہ ماضی کا غم ہوگا، نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ بلکہ دائمی سکھ اور ابدی چین کی زندگی ہوگی۔ اس لفظ کے استعمال میں یہاں ایک تلمیح ہے اس دنیا کی طرف سے جس پر کفار ریجھے ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم تو جس زندگی پر فریفتہ ہو وہ ہر وقت خدا کی برق غضب کی زد میں ہے، البتہ خدا تمھیں جس گھر کی دعوت دے رہا ہے وہ ابدی امن و سلامتی کا گھر ہے۔

'وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'۔ لیکن اس گھر کی راہ اختیار کرنا ہر ایک کا نصیبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھر کو جانے والی سیدھی راہ کی توفیق انھی کو دیتا ہے جن کو چاہتا ہے۔ 'جن کو چاہتا ہے' یعنی جو سنت الٰہی کے مطابق اس کے اہل ٹھہرتے ہیں۔ یہ سنت تمام تر عدل و حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں گزر چکی ہے۔

'لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ'۔ یہ اس سکھ کے گھر میں لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کی تفصیل ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نیکی کمائی اور احسان کی روش اختیار کی ہوگی ان کے لیے ان کی نیکی کا بدلہ اچھا بھی ہوگا اور ان پر مزید فضل بھی ہوگا۔ یہاں اس مزید فضل کی وضاحت نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے مقام میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا۔ ۱۶۰-انعام (جو بھلائی لے کر حاضر ہوگا تو اس کے لیے اس کا دس گنا اجر ہے)

'وَلَا یَرْھَقُ وُجُوْھَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ'۔ 'رھق' کے معنی چھا جانے اور غالب آجانے کے ہیں اور 'قتر' غبار، کدورت اور سیاہی کو کہتے ہیں۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ وہ سیاہی مراد ہے جو شدت یاس کے نتیجہ میں چہرے پر چھا جاتی ہے۔ یہاں جن چیزوں کی نفی کی ہے، ان کی نفی سے مقصود ان کے ضد پہلو کا اثبات ہے یعنی ان کے چہرے اپنی کامیابیوں پر ہشاش بشاش ہوں گے اور ہر قدم پر ان کے ساتھ اعزاز و تکریم کا معاملہ ہو رہا ہوگا۔

'جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثْلِھَا وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ'۔ یہ بروں کا انجام بیان ہوا ہے کہ برائی کا بدلہ پورے انصاف کے ساتھ بالکل ہم وزن ہوگا۔ ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ 'وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ' میں 'ذلت' کے ساتھ 'قتر' کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی تفصیل 'کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْھُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا' کی تشبیہ میں آگئی اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ 'قتر' سے مراد مایوسی کی سیاہی ہے اور چونکہ یہ ابدی مایوسی کی سیاہی ہوگی اس وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ان کے چہروں پر شب تاریک کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر ڈال دیے گئے ہیں۔ 'مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ' سلسلۂ کلام کے بیچ میں جملہ معترضہ کے محل میں ہے۔ یعنی اس ابدی

مایوسی اور ذلت سے ان کو وہاں چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ دنیا میں جن معبودوں سے سفارش اور مدد کی امیدیں باندھ کر ان کی پرستش کی ہوگی وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ ان میں سے کوئی کام آنے والا نہ بنے گا۔

۶-آگے کا مضمون ____ آیات ۲۸-۳۶

اوپر وَمَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ میں یہ اشارہ جو فرمایا تھا کہ ابدی مایوسی اور ذلت سے چھڑانے میں ان کے مزعومہ شرکاء اور شفعاء کچھ کام آنے والے نہیں، آگے اس اشارے کی تفصیل فرما دی کہ آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت فرما دی کہ مجرد ظن کی بنیاد پر آرزوؤں کے جو ہوائی قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں وہ اسی طرح مسمار ہوتے ہیں۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَ آیات ۲۸ - ۳۶
شُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾
فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿۲۹﴾
هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ
الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ (عمع ۳ / ۸، نصف)
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ
فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ
إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۳۴﴾
قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ
أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ

فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٥﴾ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي
مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

ترجمۂ آیات ۲۸-۳۶

اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرو۔ پھر ہم ان کے درمیان تفریق کریں گے اور ان کے شریک کہیں گے، تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے، اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے۔ ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر رہے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہوگا جو اس نے کیا ہوگا اور لوگ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوں گے اور افترا کر کے انھوں نے جو معبود بنائے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ ۲۸-۳۰

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سمع اور بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے، تو جواب دیں گے اللہ تو ان سے کہو کہ کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں؟ پس وہی اللہ تمہارا رب حقیقی ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو کہاں تمہاری عقل الٹ جاتی ہے؟ اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنھوں نے نافرمانی کی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ۳۱-۳۳

پوچھو تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہو پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا؟ کہہ دو اللہ ہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ فرمائے گا تو تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟ پوچھو، کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو، کہہ دو اللہ ہی ہے جو حق کی توفیق بخشتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کیے جانے کا مستحق

ہے یا وہ جو بغیر رہنمائی کے خود راہ نہیں پاتے ؟ تو تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو! اور ان میں سے اکثر محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور گمان حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ۳۲-۳۶

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ (۲۸-۲۹)

مشرکین اور ان کے شرکا ساتھ ہیں۔

'وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا' میں 'جَمِيعًا' کی تاکید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ مشرکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے ان شریکوں اور شفیعوں کو بھی جمع کرے گا جن کو انھوں نے خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کی اور ان کو اپنا سفارشی سمجھا۔

'ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ'۔ 'مَكَانَكُمْ' سے پہلے 'امكثوا' یا 'قفوا' یا ان کے ہم معنی کوئی فعل محذوف ہے۔ یعنی بس اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ۔ عربی میں جب کسی فوری اور واجب التعمیل حکم کا موقع ہو تو ظرف یا مفعول سے پہلے اس طرح فعل کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ مخاطب کی ساری توجہ اصل بات پر مرتکز ہو جائے۔ 'فَزَيَّلْنَا'، یہ اس روکنے کے مقصد کی تفصیل ہے۔ 'تَزْيِيل' کے معنی تفریق اور جدائی ڈال دینے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اور ان کے معبودوں میں جدائی ڈال دی جائے گی اور معبود اپنے عابدوں سے اس دن اظہار برأت بھی کریں گے اور خدا کی قسم کھا کر یہ بھی ان کو بتائیں گے کہ ہمیں اصلاً خبر نہیں کہ دنیا میں تم ہماری عبادت کرتے رہے۔ بقرہ آیت ۱۶۶ اور ۱۶۷ اور انعام آیت ۹۴ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

شرکاء کا اعلان براءت

'وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم .... الاية' یہ مزعوم شریکوں کا اعلان برأت ہے جو ساری خدائی کے آگے ان کے پرستاروں کو رسوا کرے گا۔ انھیں تو یہ امید ہو گی کہ ساری زندگی جن کی عبادت کی ہے اور جن کو نذریں اور قربانیاں پیش کی ہیں آج وہ ان کے کام آئیں گے اور خدا نے ان پر ہاتھ ڈالا تو یہ ان کو چھڑائیں گے لیکن قبل اس کے کہ یہ زبانیں کھولیں وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کہ کچھ احمق لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔ 'فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا' قسم کے معنی میں ہے اور 'إِن كُنَّا' میں 'إِن' مخففہ ہے جو 'إِنَّ' کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کے بعد 'لغافلين' پر جو لام ہے وہ اس کا قرینہ ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (۳۰)

ہر شخص کی پیشی خدا کے آگے ہوگی

'بَلَا یَبْلُوْ' کے معنی تجربہ کرنے، جانچنے، آزمانے اور چکھنے کے ہیں۔ یعنی مشرکین تو اس امید میں ہیں کہ اگر قیامت ہوئی تو، خواہ ان کے اعمال کچھ ہی ہوں، ان کے دیوی دیوتا ان کو چھڑا ہی لیں گے لیکن وہاں سابقہ ہر شخص کو اپنے ان اعمال سے پیش آئے گا جو اس نے کیے ہوں گے اور وہ انھیں کو بھگتے گا۔ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ یعنی یہ توقع لیے بیٹھے ہیں کہ قیامت ہوئی تو ان کے دیوی دیوتا وہاں ان کا خیر مقدم کریں گے لیکن وہاں ہوگا یہ کہ ان کے یہ سارے دیوی دیوتا جو انھوں نے خدا پر افترا کر کے گھڑے ہیں، سب غائب ہو جائیں گے اور سب کی روبکاری اللہ واحد کے حضور میں ہوگی جو ان کا اور سب کا مولائے حقیقی ہے۔ 'مولیٰ' کا صحیح مفہوم مرجع ہے اور مولائے حق کا لفظ یہاں ان کے ان فرضی معبودوں کے مقابل میں استعمال ہوا ہے جو اللہ پر افترا کر کے گھڑے گئے تھے یعنی ان کے متعلق بالکل جھوٹ دعویٰ کیا گیا کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور یہ ان کے سفارشی ہوں گے۔

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ (۳۱-۳۲)

مشرکین کا تضادِ فکر

اس آیت کے تمام الفاظ اور فقروں کی تشریح دوسرے مقامات میں ہو چکی ہے۔ اس کے مختلف ٹکڑوں میں جو ترتیب و تدریج ہے وہ بھی واضح ہے۔ اہل عرب کے متعلق یہ بات بھی ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ کائنات کا خالق و مالک اور مدبر اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ وہ جن دیویوں دیوتاؤں کو پوجتے تھے ان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ یہ آسمان و زمین کے خالق ہیں یا ابر و ہوا اور سورج اور چاند کے موجد ہیں یا زندگی اور موت پر متصرف ہیں یا نظام کائنات کا سررشتہ ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ صرف یہ مانتے تھے کہ یہ خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ خدا ان کی سنتا ہے، جو کام خدا سے کرانا چاہیں کرا سکتے ہیں، ان کو اگر راضی رکھا جائے تو یہ خدا سے سفارش کر کے دنیا کی نعمتیں بھی دلواتے ہیں اور اگر بالفرض مرنے کے بعد اٹھنا ہی ہوا اور حساب کتاب کی نوبت آئی تو اس وقت بھی یہ دستگیری کریں گے اور اپنی بندگی کرنے والوں کو نہ صرف بخشوا لیں گے بلکہ اونچے اونچے درجے دلوائیں گے ـــــ قرآن نے یہاں خدا سے متعلق ان کے انہی اصولی مسلمات کو بنیاد قرار دے کر ان کو متنبہ کیا ہے کہ جب تم ان ساری باتوں کو مانتے ہو تو نہ تمھارے لیے آخرت کے انکار کی گنجائش ہے اور نہ خدا کے شریک ٹھہرانے کا کوئی جواز ہے۔ جب خدا ہی مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو برآمد کرتا ہے اور تمام خلق و تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے تو وہ کسی کا محتاج کب ہے کہ اپنی خدائی میں کسی کو شریک بنائے اور اس کے لیے اس امر میں دشواری کیا ہے کہ وہ سب کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھا کھڑا کرے؟ مطلب یہ کہ تمھاری یہ باتیں تمھارے اپنے مسلمات کے خلاف ہیں۔ اس طرح تم اپنے ہی منہ سے اپنے کو جھٹلاتے ہو۔

'اَفَلَا تَتَّقُوْنَ' یعنی جب تم یہ ساری باتیں مانتے ہو تو اس خدا کے قہر و جلال سے ڈرتے نہیں کہ اس کی طرف بے جوڑ باتیں منسوب کر کے اس کی تمام اعلیٰ صفات کی نفی کر دیتے ہو!!

'فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ' ۔ 'ذٰلِكُمْ' کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات کی طرف ہے جن کا اہلِ عرب کو اعتراف بھی تھا اور جو صحیح بھی تھیں ۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہی اللہ جس کے لیے یہ صفتیں مانتے ہو وہی تمہارا رب حقیقی بھی ہے، پھر اس کے علاوہ تم نے دوسرے ارباب کس دلیل سے بنا لیے ہیں؟ 'فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ' یعنی تمہارے مذکورہ بالا اعتراف کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ جس اللہ کے لیے یہ صفتیں مانتے ہو اسی کو تنہا اپنا رب بھی تسلیم کرو، لیکن تم نے کیا یہ ہے کہ ان سب باتوں کو ماننے کے باوجود رب اور بھی بنا لیے ہیں تو حق کے معین ہو چکنے کے بعد اس کے خلاف کوئی بات ماننا صریح ضلالت ہوئی تو تم صحیح قدم اٹھا کر پھر غلط پگڈنڈیوں پر کس طرح مڑ جاتے ہو۔ 'تُصْرَفُوْنَ' مجہول کا صیغہ ہے جو اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جہاں تک عقل اور منطق کا تعلق ہے وہ تو تمہارا ساتھ نہیں دے رہی ہے ۔ اب تم خود سوچو کہ تم نے اپنی نکیل کس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جو تم سے یہ ہرزہ گردی کرا رہا ہے ۔

اہلِ عرب کے شرک کی نوعیت

اگرچہ آیات کی یہ تاویل واضح ہے لیکن چونکہ اہلِ عرب کے عقائد اور ان کے اصنام سے متعلق عام طور پر لوگوں کی معلومات بہت سرسری ہیں اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگوں کو ایک بات کھٹکے ۔ ہم یہاں بالاختصار اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی وضاحت کیے دیتے ہیں ۔

اوپر اہلِ عرب کے جو اعترافات نقل ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق و رازق، سمع و بصر کا مالک، زندگی اور موت کا منبع مانتے تھے بلکہ کائنات کا مدبر و منتظم بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے ۔ ہمارے نزدیک اہلِ عرب کے عقائد سے متعلق یہی اصل حقیقت ہے ۔ اہلِ عرب اپنے معبودوں کو کائنات کے نظم و انصرام کا اصل سرچشمہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک بادشاہ اپنے مقربین کو کچھ اختیارات و فرائض سونپ دیتا ہے جو ہوتے تو ہیں تفویض کردہ لیکن غایت تقرب و اعتماد کے سبب سے وہ عملاً مقربین ہی کے حقوق و اختیارات بن جاتے ہیں ۔ اسی طرح کے کچھ اختیارات خاص طور پر، رزق اور اولاد وغیرہ سے متعلق، ان کے مزعومہ شرکاء کو بھی حاصل ہیں ۔ قرآن نے جگہ جگہ ان کے اس تصور کی غلطیوں پر تنقید کی ہے جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتابوں 'حقیقتِ شرک اور حقیقتِ توحید' میں کی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے مشرکین اور اہلِ عرب کے مشرکین میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے ۔ ہم لوگوں نے محض اپنے شرک کو توحید ثابت کرنے کے لیے اہلِ عرب کے شرک کو ہوّا بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ع

این گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

ہدایت و ضلالت کے باب میں سنتِ الٰہی

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۳۳)

'كَذٰلِكَ' کا اشارہ مشرکین کی اس متضاد و متناقض روش کی طرف ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور 'کلمۂ رب'

سے مراد وہ سنت الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے باب میں مقرر فرمائی ہے اور جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان و ہدایت کی راہ انہی لوگوں پر کھولتا ہے جو اپنے عقل و دل کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جو لوگ عقل و فطرت کو ٹھکرا کر اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں کے اوپر ان کی اختیار کردہ ضلالت ہی کو مسلط کر دیتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں پر بھی ان کی پسندیدہ ضلالت مسلط ہو چکی ہے اور اب یہ ایمان کی طرف آنے والے نہیں ہیں۔ دوسرے مقام میں 'وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ' کے الفاظ میں بھی یہی سنت الٰہی بیان ہوئی ہے ——— یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بطور التفات کے ہے۔ آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ ان لوگوں کی روش سے پریشان نہ ہو، یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسے لوگوں سے متعلق اتمام حجت کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۳۴)

مشرکین کے عقیدۂ شفاعت کی تردید

یہ مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اگر قیامت ہوئی تو ان کے شرکاء و شفعاء ان کو اللہ کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ ہم مشرکین عرب سے متعلق دوسرے مقامات میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ آخرت کے معاملے میں ان کا موقف صریح اور حتمی انکار کا نہیں تھا بلکہ تذبذب اور تردد کا تھا۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے معاملے کو بہت مستبعد سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا گمان یہ تھا کہ اول تو قیامت اور حشر نشر ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو ہمارا لوٹنا تو ہمارے شرکاء اور شفعاء کی طرف ہوگا، وہ ہمارے مددگار اور ہمارے سفارشی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی واہمہ کی بنا پر ان سے سوال کرایا ہے کہ کیا تمہارے مزعومہ شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی نسبت تمہارا دعویٰ ہو کہ اس نے خلق کا آغاز کیا ہے اور وہ اس کا اعادہ بھی کرے گا؟ ایسی ذات تو صرف اللہ کی ہے جس نے خلق کا آغاز کیا اور وہ اس کا اعادہ بھی فرمائے گا تو جب خلق کا اعادہ وہ فرمائے گا تو تمہارا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہوگا یا تمہارے ان فرضی معبودوں کی طرف جن کی نسبت تم خود بھی مانتے ہو کہ ان کا کوئی حصہ نہ ابدائے خلق میں ہے اور نہ اس کے اعادے میں۔ 'فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ' یعنی تم اپنے مسلمے کے بموجب کہ جب تم خلق کا ابداء اور اعادہ صرف خدا ہی کی شان سمجھتے ہو تو لازم تھا کہ یہ بھی مانتے کہ جو اٹھائے گا وہی جزا اور سزا بھی دے گا لیکن تم ایک بات صحیح مان کر دوسری بات اس سے بالکل متناقض مان لیتے ہو۔ آخر تمہاری عقل کس طرح اوندھی ہو جاتی ہے!!

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (۳۵)

شرکاء کا وجود رہنمائی کے پہلو سے

یعنی آخرت کے معاملے میں تو تمہارے ان مزعومہ شرکاء کا وجود یوں بے کار ثابت ہوا کہ نہ ان کا کوئی دخل

خلق کے ایدار ہیں ہے نہ عادے ہیں۔ اب سوچو کہ اس دنیا میں تمھیں ان سے کیا فیض پہنچتا ہے ؟ مخلوق کی ایک بہت بڑی ضرورت خالق سے یہ وابستہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں رہنمائی فرماتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا باطل، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تمھارے ان معبودوں سے تمھیں اس طرح کی کوئی رہنمائی حاصل ہوتی ہے ؟ کیا عقل جو تمھارے اندر رہنمائی کا چراغ ہے، یہ ان کی بخشی ہوئی تمھیں ملی ہے ؟ کیا یہ تمھاری ہدایت کے لیے کوئی وحی بھیجتے ہیں۔ کیا انھوں نے تمھاری تربیت و تزکیہ کے لیے کوئی کتاب اتاری، کوئی رسول بھیجا، کوئی شریعت نازل کی، کوئی قانون اتارا ؟ اگر ان کاموں میں کوئی کام بھی انھوں نے نہیں کیا، نہ کرتے ہیں نہ کریں گے تو آخر کس غرض کے لیے ان کے پیچھے لگے ہو ؟ پیروی کا سزاوار وہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کی توفیق بخشتا ہے یا وہ جو خود رہنمائی اور دستگیری کے محتاج ہیں ؟ تمھاری عقل کو کیا ہو گیا ہے، تم کیسے الٹے فیصلے کرتے ہو۔

'ہدایت' کا صلہ آیت میں 'الیٰ' کے ساتھ بھی آیا ہے اور 'ل' کے ساتھ بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ جب 'الیٰ' آتا ہے تو اس سے مقصود صرف کسی چیز کی طرف رہنمائی کر دینا ہوتا ہے لیکن جب 'ل' آتا ہے تو اس کے اندر رہنمائی کے ساتھ توفیق ہدایت کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یَهِدِّیْ دراصل 'یَهْتَدِیْ' ہے جو بقاعدۂ ادغام 'یَهِدِّیْ' ہو گیا ہے۔

وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ (۳۶)

محض گمان کی پیروی

لفظ 'ظن' 'علم' 'یقین' اور 'حق' تینوں کے ضد کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ علم ثابت و صحیح اور حق واضح و معروف کے بجائے محض اپنے گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور ظاہر ہے محض اٹکل کے تیر تکے حقیقت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ حقیقت جب سامنے آئے گی تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے اپنی عمارت بالکل ریت پر بنائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ میں ان کے لیے دھمکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ حقیقت سے آنکھیں میچ کر یہ جو کر رہے ہیں کریں، وہ وقت آ رہا ہے جب اللہ تعالیٰ سب کچھ ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ ملحوظ رہے کہ قرآن نے یہ حال ان کی اکثریت کا بیان کیا ہے، سب کا حال یہی نہیں تھا بلکہ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے والے بھی تھے جن کا ذکر آگے آیات ۴۲-۴۳ میں آ رہا ہے۔

۸- آگے کا مضمون ——— آیات ۳۷-۷۰

یاد ہو گا، بات کفار کے اس مطالبہ سے چلی تھی کہ یا تو اس قرآن کی جگہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ایسی ترمیم کر دو کہ ہمارے لیے وہ قابل قبول ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے کے بجائے قرآن کی ان باتوں کو مزید واضح اور مدلل کر دیا جن سے وہ چڑتے تھے۔ اب آگے اسی مضمون کو ایک نئے پہلو سے لیا اور قرآن کا کتاب الٰہی ہونا بھی ثابت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی بھی دی اور

قرآن کے دعاوی کو مزید مبرہن کر دیا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ آیات
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ ۳۷-۵۰
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا
بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ
بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ ع ۱۰
كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَ ۹
اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ
تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ
تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ
لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا

شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا
اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ
بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ
اَحَقٌّ هُوَ ؔ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚۛ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ ع ٥ ١٣ وقف النبي عليه السلام
اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾
اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ
فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ
اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا ع ٦ ١١
تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا

يعزب عن ربك من مثقال ذرة في الارض ولا في السماء ولا اصغر
من ذلك ولا اكبر الا في كتب مبين ﴿٦١﴾ الا ان اولياء الله لا خوف
عليهم ولا هم يحزنون ﴿٦٢﴾ الذين امنوا وكانوا يتقون ﴿٦٣﴾ لهم البشرى
في الحيوة الدنيا وفي الاخرة لا تبديل لكلمت الله ذلك هو
الفوز العظيم ﴿٦٤﴾ ولا يحزنك قولهم ان العزة لله جميعا هو وقف لازم
السميع العليم ﴿٦٥﴾ الا ان لله من في السموت ومن في الارض
وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاء ان يتبعون الا
الظن وان هم الا يخرصون ﴿٦٦﴾ هو الذي جعل لكم اليل
لتسكنوا فيه والنهار مبصرا ان في ذلك لايت لقوم يسمعون ﴿٦٧﴾
قالوا اتخذ الله ولدا سبحنه هو الغني له ما في السموت
وما في الارض ان عندكم من سلطن بهذا اتقولون على الله
ما لا تعلمون ﴿٦٨﴾ قل ان الذين يفترون على الله الكذب لا
يفلحون ﴿٦٩﴾ متاع في الدنيا ثم الينا مرجعهم ثم نذيقهم
ع ۱۲ العذاب الشديد بما كانوا يكفرون ﴿٧٠﴾ ع

ترجمہ آیات ۳۷-۴۰

اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ سے پرے پرے ہی گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تصدیق
ہے ان پیشین گوئیوں کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور کتاب کی تفصیل ہے۔ اس کے
خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو اس
نے گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو تو تم لاؤ اس کے مانند کوئی سورہ اور بلا لو اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو،

اگر تم سچے ہو۔ بلکہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا رہے ہیں جو ان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے تو دیکھو ظالموں کا انجام کیا ہوا! ۳۸-۳۹

اور ان میں ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور تیرا رب مفسدوں سے خوب واقف ہے اور اگر وہ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم بری ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بری ہوں تمھارے عمل کی ذمہ داری سے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو تمھاری بات پر کان دھرتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگر وہ کچھ سمجھتے بوجھتے نہ ہوں؟ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو تمھاری طرف نظر کرتے ہیں تو اب کیا تم اندھوں کو راہ دکھاؤ گے اگرچہ وہ دیکھ نہ رہے ہوں؟ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ۳۹-۴۴

اور جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا اس دن وہ محسوس کریں گے کہ گویا بس وہ دن کی ایک گھڑی رہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ نامراد ہوئے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہدایت حاصل کرنے والے نہ بنے۔ یا ہم تم کو اس کا کوئی حصہ دکھا دیں گے جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمھیں وفات دیں گے پس ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی، پھر اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو وہ کر رہے ہیں؛ اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آجاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے معاملے میں بھی کسی نقصان اور نفع پر کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لیے ایک وقت

مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے نہ آگے۔ ان سے کہو کہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات میں آدھمکے یا دن میں تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں! پھر کیا جب آہی دھمکے گا تب اس کو مانو گے! اب مانے، اسی کی تم جلدی مچائے ہوئے تھے!! پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ یہ تمھاری اپنی کمائی کا تمھیں بدلہ مل رہا ہے۔ ۴۹-۵۲

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات واقعی ہے؟ کہہ دو کہ ہاں میرے رب کی قسم یہ شدنی ہے اور تم قابو سے باہر نہیں نکل سکو گے۔ اور ہر جان، جس نے ظلم کا ارتکاب کیا، اگر اس کو مل جائے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے تو وہ اس کو فدیہ میں دے دینا چاہے گی اور وہ پشیمان ہوں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ سن رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ سن رکھو کہ اللہ کا وعدہ شدنی ہے، لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۵۳-۵۶

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نصیحت، سینوں کے امراض کی شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔ کہہ دو کہ یہ اللہ کے فضل و رحمت کا کرشمہ ہے تو چاہیے کہ اس پر شاداں ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔ ۵۷-۵۸

ان سے کہو، بتاؤ اللہ نے تمھارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں ان کا قیامت کے دن کیا گمان ہے؟ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے

لیکن اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہوتے۔۵۹۔۶۰

اور تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور کتاب میں سے جو حصہ بھی سنا رہے ہوتے ہو اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو تو ہم جس وقت تم اس میں مشغول ہوتے ہو، تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں اور تیرے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ سن لو کہ اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور تم کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے۔ عزت تمام اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ سمیع وعلیم ہے۔۶۱۔۶۵

سن رکھو کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے ہیں اور جو لوگ اللہ کے ماسوا کو پکارتے ہیں یہ شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے بلکہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں۔ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پرسکون بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں معاش کے لیے جدوجہد کرو بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو بات کو سنتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے؟ کہہ دو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کے لیے بس دنیا میں چند روزہ فائدہ اٹھا لینا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی، پھر ہم ان کے کفر کی پاداش میں ان کو سخت عذاب چکھائیں گے۔۶۶۔۷۰

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (۳۷-۳۹)

قرآن سابق پیشین گوئیوں کی تصدیق ہے

'وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ...... الاية' آیت ۱۵ میں قرآن کی صداقت کی دلیل حامل قرآن کے کردار کے پہلو سے پیش کی گئی تھی، اس کے بعد کلام کا رخ قرآن کے ان دعاوی کے اثبات کی طرف مڑ گیا تھا جو خاص طور پر مخالفین کی وحشت کا باعث تھے اور جن کی ترمیم یا تنسیخ کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ اب پھر وہی بات ایک نئے پہلو سے سامنے آ گئی۔ فرمایا کہ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا سے پرے ہی پرے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہو بلکہ یہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق ہے جو اس کے باب میں پہلے سے آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کا حوالہ ہم بقرہ اور آل عمران کی تفسیر میں نقل کر چکے ہیں۔

'تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ' میں 'کتاب' سے مراد ہمارے نزدیک تورات ہے۔ قرآن نے تورات کی ان پیشین گوئیوں کی بھی جو مجمل و مبہم صورت میں اپنے محمل و مصداق کی منتظر تھیں اور اس دین کی بھی توضیح و تکمیل کی جس کی توضیح و تکمیل کا کام آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ یہ بات بھی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ 'الکتاب' کا لفظ تمام صحائف تورات کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ انجیل بھی اس میں شامل ہے۔ بعض مرتبہ اجزا کے اعتبار سے لفظ 'کُتُب' استعمال ہوتا ہے بعض مرتبہ مجموعہ کو پیش نظر رکھ کر 'الکتاب'۔ نزول قرآن سے پہلے 'الکتٰب' کی حیثیت تورات ہی کو حاصل رہی ہے۔ بقیہ تمام صحائف کی حیثیت اس کے اجزا اور ابواب و فصول کی تھی۔

'لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ' کا مفہوم، جیسا کہ ہم بقرہ کی دوسری ہی آیت کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں یہ ہے کہ اس کے خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کی عام تحدی

'اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ...... الاية' یعنی اگر منکرین یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود تصنیف کر کے جھوٹ موٹ اس کو خدا کی طرف نسبت دے دی ہے تو ان سے کہو کہ پھر تو تمہارے لیے اس کا توڑ بہت آسان ہے، تم اس کی مانند ایک ہی سورہ بنا کر پیش کر دو اور اس کام میں ان سب کا تعاون بھی حاصل کر لو جن کا تعاون تم اپنے شاعروں، ادیبوں، ساحروں، کاہنوں، جنوں، شیطانوں اور اپنے ان معبودوں میں سے حاصل کر سکتے ہو جن کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو تو ان سب کو اس کام کے لیے بلاؤ۔ آخر اس سے زیادہ نازک موقع ان کی مدد حاصل کرنے اور ان کی مدد کے لیے اٹھنے کا اب کب آئے گا جب کہ تمہارے دین آبائی کے ساتھ ساتھ ان کی خدائی بھی معرض خطر میں ہے۔

تکذیبِ قرآن کی اصل وجہ

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ ...... الایۃ: یہ اصل وجہ تکذیب کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کی مخالفت میں یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب تو اوپر کی باتیں ہیں۔ اصل وجہ تکذیب یہ ہے کہ قرآن ان کو رسول کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی اس دنیا میں اور پھر اس کے بعد آخرت میں خبر دے رہا ہے وہ ان کے علم کی گرفت میں نہیں آرہی ہے اس لیے کہ اس کی حقیقت ان کے سامنے ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ اس کو ماننے سے پہلے سر کی آنکھوں سے اس کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس عذاب کا کوئی نمونہ یا اصل عذاب ہی آجائے تب وہ مان جائیں گے کہ قرآن سچی خبر دے رہا ہے اور یہ خدائی کتاب ہے۔ فرمایا کہ یہ بعینہٖ وہی روش ہے جو ان سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں نے اختیار کی تو جو انجام ان کا ہوا وہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔ لفظ 'تاویل' پر آل عمران کی تفسیر میں ہم بحث کر چکے ہیں۔ یہاں یہ کسی خبر کے واقعاتی مصداق کے مفہوم میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَـيْـــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ (۴۰-۴۴)

مکذبین کو مہلت دینے کی وجہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ...... الایۃ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور مکذبین قرآن کے لیے دھمکی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے اندر سے ایسے لوگ نکل رہے ہیں جو قرآن پر ایمان لا رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر کچھ ذی صلاحیت بھی ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اس حد تک بلو لیا جائے کہ ان کے اندر جتنا مکھن ہے وہ نکل آئے، صرف چھاچھ بچ رہے۔ اسی حکمت کے تحت ان کے مطالبۂ عذاب کے باوجود ان کو مہلت دی جا رہی ہے کہ جو مفسدین ہیں وہ چھٹ کر بالکل سامنے آجائیں۔ تیرا رب ان سے خوب واقف ہے، ان کو وہ ان کی شرارتوں کا مزہ چکھائے گا۔

مکذبین سے اعلانِ براءت

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ ..... الایۃ: یہ ان مکذبین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانِ براءت کی ہدایت ہے کہ جو کسی طرح کوئی بات سننے سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں، تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو، تم میرے عمل کی ذمہ داری سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال کی ذمہ داریوں سے بری ہوں۔ رسول کی طرف سے یہ اعلان براءت، ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اس کے جھٹلانے والوں کے لیے عذاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ رسول جب تک اپنی قوم کے اندر رہتا ہے وہ اس کے لیے امان اور سپر ہوتا ہے، جب وہ ان سے اعلان براءت کر دیتا ہے تو یہ امان جو اس کی بدولت قوم کو حاصل ہوتی ہے اٹھ جاتی ہے اور جب امان اٹھ گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد عذاب ہر

وقت متوقع ہے۔ اسی وجہ سے رسول کی زبان سے براءت کا کلمہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کی قوم کی زندگی میں یہی وقت سب سے زیادہ نازک وقت ہوتا ہے۔

آنحضرت صلعم کے لیے تسکین و تسلی — وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ ..... الآیۃ۔ یہ بھی آیت ۴۰ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی ہے کہ تمہارے اطمینان کے لیے یہ چیز کافی ہونی چاہیے کہ ان کے اندر جو سننے سمجھنے اور فہم و بصیرت رکھنے والے لوگ ہیں وہ تمہاری بات پر کان دھرتے اور تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اپنی شامت اعمال سے گونگے بہرے اور اندھے بن چکے ہیں، وہ تو سننے سمجھنے سے رہے۔ اگر تمہارے دل کے اندر یہ ارمان ہے کہ یہ بھی تمہاری باتیں سنیں اور مانیں تو یہ ہونے سے رہا۔ ایمان و ہدایت کے باب میں اللہ کی جو سنت ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت انہی کو بخشتا ہے جو اس کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو زندہ رکھتے اور ان سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ..... الآیۃ۔ یہ بعینہٖ اوپر والی آیت کا مضمون ذرا مختلف اسلوب میں بیان ہوا ہے۔

ایک استدراک — اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ ..... الآیۃ۔ یہ اوپر والی بات پر ایک قسم کا استدراک ہے۔ بادی النظر میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ آخر بہت سے لوگوں کا حال یہ کیوں ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے اندھے بہرے ہو جاتے ہیں کہ بالآخر وہ خدا کے ابدی عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم کیا ہے، اللہ ذرا بھی اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں سے مسلح کیا ہے۔ اگر وہ ان سے کام لے تو نبیوں اور رسولوں کی بات اس کو اپنے دل کی آواز معلوم ہو گی لیکن لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں اندھے بہرے بن جاتے ہیں جس کے سبب سے ان کو ہر صدائے حق اجنبی معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ اس کو قبول کرنے کی بجائے اس سے بدکنے لگتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ (۴۵-۴۶)

مکذبین کی جلد بازی کا جواب — یہ آخرت اور عذاب کے جھٹلانے والوں کی جلد بازی کا جواب ہے۔ فرمایا کہ آج تو ان کو آخرت بہت بعید معلوم ہوتی ہے لیکن جس دن وہ اکٹھا کیے جائیں گے اس دن ان کا احساس اس دنیا کی زندگی کے متعلق یہ ہو گا کہ گویا وہ اس میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ وہ ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہوں گے گویا ان کی ملاقات صبح و شام کا قصہ ہے۔ ہر بات ذہن میں اس طرح تازہ ہو گی گویا اس پر کوئی زمانہ گزرا ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ اصل شے تو وہ احساس ہے جو اس دنیا کی زندگی سے متعلق روز آخرت میں طاری

ہوگا تو انسان کی محرومی و نامرادی ہی ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی کو بہت طویل سمجھ کر آخرت سے بے پروا ہو بیٹھے اور جب اسے اس سے ڈرایا جائے تو یہ مطالبہ شروع کر دے کہ اگر وہ آتی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ..... الآیۃ: خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اور یہ اس کے مؤخر ہونے کے سبب سے اس کو خالی خولی دھمکی سمجھ رہے ہیں اور تمھیں زچ کرنے کے لیے اس کی جلدی مچاتے ہوئے ہیں، اگر حکمتِ الٰہی مقتضی ہوئی تو تمھاری زندگی ہی میں ان کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیا جائے گا، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھیں وفات دے گا اور ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی پھر اللہ ان کا سارا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دے گا۔

قریش پر فیصلہ کن عذاب نہ آنے کی وجہ

یہاں اللہ تعالیٰ کی وہ سنت پیش نظر رہے جس کا حوالہ ہم دوسرے مقام میں دے چکے ہیں کہ اگر کسی رسول کی قوم نے بحیثیت مجموعی اس کی تکذیب کر کے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تب تو اللہ تعالیٰ نے رسول اور اس کے ساتھیوں کو الگ کر کے قوم کو اپنے کسی عذاب کے ذریعہ سے تباہ کر دیا ہے اور اگر قوم کے اندر معتدبہ تعداد ایمان والوں کی بھی نکلی ہے تو اس قوم پر اس دنیا میں کوئی فیصلہ کن عذاب بھیجنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اس کے مکذبین کا معاملہ آخرت کے عذاب پر اٹھا رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا بڑا حصہ چونکہ ایمان لایا اس وجہ سے اس پر اس طرح کا کوئی فیصلہ کن عذاب نہیں آیا جیسا کہ عاد و ثمود وغیرہ قوموں پر آیا بلکہ آپ کے مکذبین اہل ایمان کے ساتھ تصادم میں ختم ہو گئے اور آخرت میں ان کو اپنی جواب دہی خدا کی عدالت میں کرنی ہے۔ آیت میں اسی سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۴۷)

رسول کی تکذیب کے باب میں سنتِ الٰہی

یہ قریش کو انذار ہے اس سنت الٰہی کی روشنی میں جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت تمام کرنے کے لیے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے، یہ رسول خدا کی عدالت بن کر آئے اور ان کے ذریعے سے اس قوم کے درمیان حق و باطل کا فیصلہ کر دیا گیا، جو لوگ رسول پر ایمان لائے ان کو نجات و فلاح حاصل ہوئی اور جو لوگ اس کی تکذیب پر اڑے رہ گئے ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہی مرحلہ قریش کے لیے بھی درپیش ہے۔ ان کے لیے بھی خدا کی میزانِ عدل نصب ہو چکی ہے اور اتمام حجت کے لیے خدا کا رسول آ چکا ہے۔ اگر انھوں نے تکذیب کر دی تو وہ بھی لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی ان کی پیشرو قومیں دوچار ہو چکی ہیں وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس معاملے میں خدا کی طرف سے کوئی بات عدل و انصاف کے خلاف نہیں ہوتی۔ خدا کا رسول ہر پہلو سے لوگوں پر اتمام حجت کر دیتا ہے اور لوگوں کو سوچنے سمجھنے، جانچنے اور دیکھنے کے لیے جتنا موقع ملنا چاہیے اتنا موقع بھی دیا جاتا ہے۔ یہ سارے جتن کرنے کے بعد بھی جو لوگ اپنی ضد پر اڑے ہی رہ جاتے ہیں بالآخر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ——— یہاں وہ فرق ملحوظ رہے جو نبی اور رسول کے

درمیان ہم متعدد مقامات میں واضح کر چکے ہیں۔ یہ سنت الٰہی رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء کے لیے اس کا ظہور ضروری نہیں ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (۴۸-۴۹)

جلدبازوں کو جواب

یعنی جب ان کو اس حقیقت نفس الامری سے آگاہ کیا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ متنبہ ہوں اور خطرے سے بچنے کی راہ اختیار کریں اس کا مذاق اڑاتے ہیں، پیغمبر اور اس کے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو آخر تمھاری یہ دھمکی واقعہ کی صورت میں کیوں نہیں ظاہر ہوتی؟ تم کب سے یہی رٹ لگائے ہوئے ہو، آخر یہ چیز کب واقع ہوگی؟ فرمایا کہ ان کو جواب دے دو کہ یہ خدا کی بات تھی جو میں نے تمھیں سنا دی۔ رہا یہ امر کہ یہ بات کب واقع ہوگی تو نہ میں غیب جانتا اور نہ خود اپنے معاملے میں کسی نقصان یا نفع پر اختیار رکھتا ہوں۔ یہ چیز تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا یہ ظاہر ہوگی اور جب ظاہر ہوگی تو کوئی اس کو دفع نہ کر سکے گا۔

ہر امت کے لیے وقت مقرر ہے

'لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ...... الایۃ' یہ اسی سوال کا اصولی جواب ہے کہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے نہ آگے۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ قوموں کی ہلاکت کی 'اجل' اخلاقی پیمانہ سے ناپ کر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا طغیان اس حد کو پہنچ جاتا ہے جو ہلاکت کے لیے مقرر ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کا بیڑا غرق کر دیتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی کہ کب کوئی اپنے آخری نشان پر پہنچی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (۵۰-۵۲)

جلدبازوں سے ایک سوال

ان کے سوال 'مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ' کا جواب تو اوپر کی آیات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دلوا دیا لیکن ساتھ ہی ان کے سوال کے مقابل میں ایک سوال ان سے بھی کر دیا کہ ان سے پوچھو کہ اس طنطنہ سے جو خدا کے عذاب سے متعلق سوال کر رہے ہو تو آخر کس بل بوتے پر کر رہے ہو؟ اس کا عذاب چاہے رات کی تاریکی میں چپ چپاتے آ جائے یا پورے دن کی روشنی میں ڈنکے کی چوٹ آ دھمکے، آخر ان مجرمین نے اس کے مقابلے کے لیے کیا سامان دفاع تیار کر رکھا ہے؟ یہاں 'مجرمون' کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو لوگ جرم سے بری ہیں اگر وہ اس طرح کا سوال کرتے تو اس کے لیے تو ایک جواز ہو سکتا تھا لیکن جو لوگ مجرم ہیں اور جن کے جرم ہی کی پاداش میں یہ برق خاطف گرنے والی ہے ان کی یہ ڈھٹائی

ان کی بدبختی اور شامت کے سوا اور کس چیز کی دلیل ہے!۔

'اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ' یعنی کیا اس لیے جلدی مچائے ہوئے ہو کہ جب وہ آجائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے کہ پیغمبر نے سچی خبر دی تھی اور وہ سچے تھے، لیکن اس وقت کا ایمان کیا نفع دے گا؟ اس وقت ایمان لائے تو تم سے کہا جائے گا۔ 'آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ' کہ اب مانے حالانکہ یہی چیز ہے جس کے لیے تم اپنی رعونت کے سبب سے جلدی مچائے ہوئے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ محض بھبکی ہے۔

'ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا' یعنی مذکورہ عذاب عاجل کے بعد جب عذاب آخرت کا مرحلہ آئے گا تو ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو، یہ تمہاری اپنی ہی کرتوتوں کا ثمرہ ہے۔ یہاں ان لوگوں کو 'ظالم' اس وجہ سے کہا گیا کہ انھوں نے اپنے لیے یہ پس بھری فصل خود کاشت کی۔ خدا ان کے اوپر، جیسا کہ اوپر آیت ۴۴ میں ہے، کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ
ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۵۳-۵۴)

عذاب کا مذاق اڑانے والوں کو جواب

'وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ' اوپر آیت ۴۸ میں کفار کا سوال 'مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ' نقل ہوا ہے یہ سوال بھی اسی نوعیت کا ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ اس میں انکار و استہزا کا پہلو ذرا مخفی ہے، اس میں وہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ سوال کرنے والوں کے مزاج مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ذرا رکھ رکھاؤ کے انداز میں اپنے دل کی بات کہتے ہیں۔ بعض منہ پھٹ ہوتے ہیں جو اپنی بات پھینک مارتے ہیں۔ اسی قسم کے لاابالیوں کی زبان سے یہ سوال نقل ہوا ہے کہ پیغمبر سے پوچھتے ہیں کہ یہ جو عذاب اور جزا و سزا کی باتیں سنا رہے ہو یہ حقیقت ہے یا یوں ہی محض دھونس جمانے کے لیے ڈینگیں مار رہے ہو؟

'قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ' ۔ 'اِیْ' حرف جواب ہے 'نَعَمْ' کے معنی میں اور یہ صرف قسم سے پہلے آتا ہے۔ سوال کرنے والوں کی ذہنیت کو پیش نظر رکھ کر صرف سادہ جواب ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قسم کے ساتھ جواب دیا کہ یہ چیز شدنی ہے اور ساتھ ہی 'وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ' کے الفاظ سے ان کی رعونت پر بھی ضرب کاری لگا دی کہ جب یہ چیز ظاہر ہوگی تو تم میرے رب کی گرفت سے بچ کے نکل نہ سکو گے۔

'وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ ...... الاية' یعنی آج تو بڑی رعونت سے تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔ لیکن جب یہ چیز سامنے آئے گی تو ہر جان، جس نے اس دن سے غفلت برت کر اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہوگا، اس کا حال یہ ہوگا کہ اگر زمین کی ساری دولت بھی اس کو ہاتھ آجائے اور اس کو فدیہ میں دے کر اس دن کی ہولناکیوں سے نجات پانا ممکن ہو تو وہ اس کو فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے گی۔ 'وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ' میں وہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے جو سورۂ انعام آیت ۳۱ میں بیان ہوئی ہے 'حَتّٰٓى اِذَا

جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا (یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ان پر آدھمکے گی وہ کہیں گے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو اس معاملے میں ہم نے کی) چونکہ ندامت اور افسوس کا منبع انسان کا باطن ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے لفظ 'اسرّ' استعمال ہوا ہے جس طرح 'ابطن العداوۃ' کا محاورہ عربی میں معروف ہے۔ مقصود یہی بتانا ہے کہ آج تو یہ مذاق اڑا رہے ہیں لیکن کل وہ اپنی اس نالائقی پر نادم اور پشیمان ہوں گے 'وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ' یعنی ان کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، جو کچھ انھوں نے کمایا ہوگا وہی ان کے سامنے آئے گا۔ ان کے اوپر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اس میں ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہو گیا کہ انھوں نے اپنے مزعومہ شرکاء اور شفعاء سے جو امیدیں باندھ رکھی ہیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گی۔ کوئی چیز خدا کے انصاف پر اثر انداز نہ ہو سکے گی۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۵۵-۵۶)

یہ توحید کے مضمون سے اوپر کے مضمون کو مزید مؤکد کیا ہے اور 'الا' کے لفظ سے پوری طرح متنبہ بھی فرما دیا ہے کہ کان کھول کر اچھی طرح سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے، کسی کی بھی اس میں شرکت اور حصہ داری نہیں ہے۔ اس کا ہر وعدہ اور اس کی ہر وعید ایک امر واقعی اور شدنی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ اگر کسی نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کا معاملہ اس کے مزعومہ شرکاء اور شفعاء سے متعلق ہوگا تو وہ اس خیال خام کی اصلاح کر لے۔ جن کو زندہ کرنے میں کوئی دخل نہیں، جن کو موت کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں آخر وہ آخرت میں مولیٰ و مرجع کس طرح بن جائیں گے 'وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ' مجرد خبر کا جملہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر افسوس اور حسرت کا مضمون مضمر ہے یعنی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کا ہر وعدہ اور اس کی ہر وعید شدنی ہے اور اس وقت خدا کے آگے کسی کی بھی کچھ پیش نہیں جائے گی لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس عظیم حقیقت سے اپنے کان بند کیے ہوئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۵۷-۵۸)

قرآن کی چار صفتیں

'يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ...... الاٰیۃ' اوپر ایک نظر ڈال کر دیکھ لیجیے یہ سلسلۂ کلام آیت ۳۷ میں کفار کے اس خیال کی تردید سے چلا تھا کہ یہ قرآن کوئی من گھڑت چیز ہے۔ اس کے بعد کلام کا رخ ان باتوں کو ثابت کرنے کی طرف مڑ گیا تھا جو مخالفین کے ذہنوں میں الجھن پیدا کیے ہوئے تھیں اور جن کو نہ ماننے کی خواہش کے تحت وہ قرآن اور پیغمبر کی تکذیب کر رہے تھے۔ اب پھر بطور التفات قرآن کی قدر و قیمت واضح کر دی گئی کہ کتنی بڑی نعمت ہے جو لوگوں کو محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوئی ہے۔ لیکن بدقسمت لوگ اس کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ یہاں قرآن کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ 'یہ تمھارے رب کی جانب سے موعظت ہے۔

یعنی جن خطرات و مہالک سے لوگوں کو بچنا چاہیے ان سے آگاہی اور جو لوگ آنکھ بند کیے ان کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں ان کو زجر و تنبیہ۔ دوسری یہ کہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے یعنی دلوں کو جو روگ لگتے ہیں اور جن کے سبب سے انسان تمام انسانی اوصاف کھو کر مختوم القلب اور حیوانات سے بدترین بن جاتا ہے' ان سب کا اس میں علاج ہے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں دل ہی کو تمام حکمت و بصیرت اور تمام عزائم و اعمال کا مرکز اور حقیقی زندگی کا منبع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کے نزدیک زندہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے دل زندہ ہیں، جن کے دل زندہ نہیں ہیں وہ مردہ ہیں۔ تیسری اور چوتھی یہ کہ یہ ہدایت و رحمت ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں آغاز و انجام دونوں پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ اس دنیا میں قرآن ہدایت ہے اور جو لوگ اس ہدایت کو قبول کر لیں گے ان کے لیے آخرت میں ابدی رحمت کی ضمانت ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ ..... الآیۃ میرے نزدیک آیت میں فعل محذوف ہے یعنی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ جَآءَ یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو لے کر نازل ہوا ہے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا تو جن کو خوش ہونا ہے وہ اس فضل و رحمت کو اختیار کریں اور اس پر خوش ہوں۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یہ ان خزف ریزوں سے کہیں بڑھ کر ہے جن کو دنیا کے پرستار جمع کر رہے ہیں اور جن کے عشق میں ایسے اندھے ہوئے ہیں کہ ابدی قدر و قیمت کے یہ جواہرات ان کو نظر نہیں آ رہے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (۵۹-۶۰)

اپنے جی کے تحریم و تحلیل اللہ پر افترا ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ ..... الآیۃ' اوپر والی آیت میں قرآن کا ذکر، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بطور التفات آ گیا تھا۔ اس کے بعد توحید اور قیامت کا وہی سلسلۂ بیان پھر لوٹ آیا جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت ثابت کرنے کے لیے شروع سے چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ ذرا تم اپنی اس عجیب و غریب حرکت پر غور کرو کہ رزق اتارا تو اللہ نے لیکن اس میں سے حرام اور حلال تم نے اپنے جی سے ٹھہرا لیے۔ شرک اور تحریم و تحلیل کے تعلق پر ایک سے زیادہ مقامات میں تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔ اول تو تحریم و تحلیل خدا کے حقوق میں مداخلت ہے جو بجائے خود شرک ہے۔ دوسرے مشرکین نے یہ تحریم و تحلیل، جیسا کہ سورۂ انعام میں تفصیل سے بحث گزر چکی ہے، اپنے مشرکانہ عقائد و تصورات کے تحت کی تھی۔ لیکن دعویٰ یہ کرتے تھے کہ یہی خدا کا حکم ہے' ظاہر ہے کہ اپنی من گھڑت شریعت کو بے دلیل خدا کی طرف منسوب کرنا خدا پر افترا ہے جو شدید ترین جرائم میں سے ہے۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ یہ افتراء علی اللہ کے جرم کی انتہائی شناعت کا اظہار ہے۔ سوال کیا ہے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں قیامت کے دن ان کا کیا گمان ہے؟ سوال کر کے جواب دیے بغیر بات

ختم کردی ہے جو متکلم کے انتہائی غضب کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ شامت زدہ لوگ اس جرمِ عظیم کو کوئی معمولی بات سمجھے بیٹھے ہیں، قیامت آئے گی تو انھیں پتہ چلے گا کہ اس جسارت کی ان کو کیا سزا ملتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ ..... الآیۃ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ جرم تو ایسا گھنونا ہے کہ ابھی ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا لیکن اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے کہ لوگوں کے بڑے بڑے جرائم کے باوجود ان کو مہلت بھی دیتا ہے اور ان کو اپنے رزق و فضل سے بھی محروم نہیں کرتا کہ اگر وہ اپنے جرم کی تلافی اور توبہ و اصلاح کرنا چاہیں تو کر لیں لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہی ہے کہ وہ شکر گزار نہیں ہوتے بلکہ اس ڈھیل اور درگزر سے ان کی حماقت اور شرارت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (۶۱-۶۵)

پیغمبر صلعم اور صحابہؓ کو تسلی

'وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ .... الآیۃ' ۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے بطورِ التفات تسلی اور بشارت ہے کہ مخالفوں کی ان غوغا آرائیوں کی ذرا پروا نہ کرو، تم جہاں کہیں اور جس حال میں بھی ہو عبادت و طاعت اور تذکیر و دعوت کی جس مہم میں بھی مصروف ہو، پورے انہماک اور پوری یکسوئی و دل جمعی کے ساتھ اس میں لگے رہو۔ ہم ہر جگہ تمھارے ساتھ ہیں، تمھارے ایک ایک عمل کو دیکھ رہے ہیں اور تمھاری حفاظت و نگرانی کر رہے ہیں۔ آسمان اور زمین کی کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی خدا سے اوجھل نہیں ہے۔ ہر چیز ایک کھلی کتاب میں درج اور ہر وقت خدا کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ 'وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ' میں ضمیر مجرور کا مرجع کتاب الٰہی ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵۷-۵۸ میں گزر چکا ہے اور 'قرآن' سے یہاں مراد کتاب الٰہی کا کوئی جزو اور حصہ ہے۔ اس معنی کے لیے نظائر قرآن میں موجود ہیں۔ 'وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ' میں خطاب جمع آپ کے جاں نثار ساتھیوں سے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ پیام تسلی و بشارت پیغمبر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ کے ساتھیوں کے لیے بھی ہے جو اس وقت اللہ کے دین کی راہ میں جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ 'اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ'، 'افاض' کا صلہ جب 'فی' کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی شے میں غایت درجہ انہماک کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس قید سے ایک تو اس غیر معمولی انہماک پر بھی روشنی پڑی جو اقامتِ دین کی اس جد و جہد میں صحابہؓ کو تھا۔ دوسرے اس سے تسلی کے مضمون کی بلاغت بھی دوچند ہو گئی ہے اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم اپنے تن، من، دھن ہر چیز سے بے پروا ہو کر خدا کے کلمہ کی سربلندی کی جد و جہد میں لگے ہوئے ہوتے ہو تو اس وقت ہم تمھارے پیچھے تمھاری حفاظت و نگرانی میں مصروف ہوتے ہیں۔

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف

کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ .... الاٰیۃ ۔ اسلوبِ کلام سے بن کہے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہی گروہ اللہ کے دوستوں کا گروہ ہے اور ان کے لیے آخرت میں ایک ایسی زندگی کی بشارت ہے جس میں نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا ہو گا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔

خدا کی دوستی ایمان و تقویٰ کی بنا پر

'اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ'، اس صفت کے یہاں لانے سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کی دوستی اور محبت کا یہ مقام اور اس کا مذکورہ ثمرہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان کے ساتھ تقویٰ اور حدودِ الٰہی کی حفاظت پر قائم و دائم رہیں گے۔ یعنی یہ کسی گروہ کا اجارہ نہیں بلکہ صفات کے ساتھ مشروط ہے۔

'لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ..... الاٰیۃ' ان کے لیے دنیا کی زندگی میں غلبہ و تمکن اور آخرت میں جنتِ نعیم کی بشارت ہے۔ یہاں وہ بات ذہن میں رہے جو ہم رسولوں کے متعلق ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اس دنیا میں بھی لازماً غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس غلبہ کے باب میں جو سنتِ الٰہی ہے اس کی وضاحت بھی اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ ان انبیا کا معاملہ جو صرف نبی تھے، رسول نہیں تھے، اس سے الگ ہے۔

'لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ' یہاں 'كَلِمٰتِ اللّٰهِ' سے مراد خدا کے وعدے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وعدے اٹل ہیں۔ یہ پورے ہو کے رہیں گے اور اصلی اور بڑی کامیابی یہی ہے جس کا وعدہ اہلِ ایمان کے لیے کیا جا رہا ہے۔

'وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا' یہاں 'قَوْلُهُمْ' سے مراد کفار کے اس طرح کے طعن آمیز اقوال ہیں جن کی ایک مثال سورۂ ہود آیت ۱۲ میں یوں نقل ہوئی ہے فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (تو شاید تم اس وحی کا جو تم پر کی جا رہی ہے، کچھ حصہ چھوڑ دینے والے ہو اور اس سے تمہارا سینہ بھنچ رہا ہے کہ وہ طعنہ دیں گے کہ اس کے اوپر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، تم تو بس ایک ہوشیار کر دینے والے ہو، اللہ ہر چیز پر وکیل ہے) ان آیات کے نزول کے دور میں مسلمانوں کا جو حال تھا اس کے لحاظ سے تمکن اور غلبہ کی وہ بشارت جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوئی کفار کے لیے طنز و استہزا کا موضوع بن سکتی تھی۔ وہ کہہ سکتے تھے اور انھوں نے کہا بھی ہو گا کہ ذرا اس نئے دین کے سرپھروں کا حوصلہ دیکھو کہ کسی کو دو وقت کی قرینہ کی روٹی اور تن ڈھانکنے کو سلیقہ کا لباس نصیب نہیں لیکن حکومت و سلطنت کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی کو پیشِ نظر رکھ کر فرمایا کہ تمھیں مخالفین کی اس طرح کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ تمھارے لیے جو بشارت ہے وہ حتمی اور قطعی ہے۔ عزت

کا مالک اللہ ہے۔ یہ چیز جس کو بھی ملتی ہے اللہ ہی کے دیے ملتی ہے۔ اب اللہ نے اگر یہ عزت تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو دینے کا فیصلہ فرما لیا ہے تو اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کی صفات کے حوالہ سے مقصود یہاں پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کو صبر اور توکل کی تعلیم دینا ہے کہ خدا ساری باتیں سنتا اور جانتا ہے۔ ان کی ہر بات کا جواب اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ تم صبر کے ساتھ اپنے کام کیے جاؤ۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (۶۶-۷۰)

شرک کی بنا محض گمان پر ہے

'أَلَا إِنَّ لِلَّهِ ...... الآیۃ' اوپر والی آیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بطور التفات تھی۔ اب توحید کے مضمون کو پھر لے لیا جو پیچھے سے چلا آ رہا تھا۔ فرمایا کہ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے، خواہ فرشتے یا جنات یا انسان سب خدا ہی کی مخلوق اور اسی کے مملوک ہیں، ان میں سے کسی کا یہ درجہ نہیں کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک و سہیم ہو تو جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ فی الحقیقت خدا کے شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے ہیں اس لیے کہ خدا کا تو کوئی شریک ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ لوگ محض اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلا رہے ہیں۔ 'ظن' کے لفظ پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ بات ہے جس کی بنیاد نہ علم صحیح پر ہے نہ عقل و فطرت پر بلکہ مجرد وہم و خیال اور اٹکل پچو اندازوں پر ہے۔

مقابل الفاظ کے حذف کا اسلوب

'هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ .... الآیۃ' اس آیت میں عربی زبان کا وہ اسلوب استعمال ہوا ہے جس میں مقابل الفاظ حذف کر دیے جاتے ہیں اور جس کی متعدد مثالیں پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہیں۔ اس حذف کو کھول دیا جائے تو پوری بات گویا یوں ہوگی۔ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ (مظلما) لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (لتعملوا فیہ)۔

فرمایا وہی خدا ہے جس نے تمھارے لیے شب کو تاریک اور خنک بنایا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں کام کرو۔ 'إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ' یعنی رات اور دن اس نوعیت کے سننے اور سمجھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہاں نشانیوں کی وضاحت نہیں کی ہے لیکن قرآن کے دوسرے مقامات میں ان کی وضاحت موجود ہے۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

رات اور دن کی نشانیاں ردِ شرک کے لیے

سب سے پہلے تو اس توافق پر نگاہ کیجیے جو رات اور دن کے اندر باوجودیکہ وہ دونوں ضدین کی نسبت رکھتے ہیں، پایا جاتا ہے کہ دونوں مل کر انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ رات اس کے لیے راحت کا بستر بچھاتی ہے اور دن اس کے لیے سرگرمیوں کا میدان کھولتا ہے۔ یہی حال اس کائنات کے تمام اضداد کا ہے کہ وہ پوری وفاداری اور سازگاری کے ساتھ اپنے سے بالاتر مقصد کی خدمت میں سرگرم ہیں اور اس سے ذرا انحراف اختیار نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ایک بالاتر اور حکیم ارادہ اس کائنات کے پورے نظام پر حاوی اور قاہر ہو اور وہ اس کے اجزائے مختلفہ میں ربط و تعلق پیدا کر کے اس کو اپنی حکمت کے تحت چلا رہا ہو ——— یہ اس توحید کی دلیل ہوئی جن کا ذکر اوپر والی آیت میں ہے۔

دوسری چیز جو ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کارخانۂ کائنات نہ کوئی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں آجانے والی شے ہے اور نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ ہے بلکہ اس کے ہر گوشے میں عظیم قدرت، حیرت انگیز حکمت اور نہایت گہری غایت و مصلحت پائی جاتی ہے۔ یہ چیز مقتضی ہے کہ یہ دنیا نہ یوں ہی چلتی رہے، نہ یوں ہی تمام ہو جائے بلکہ ضروری ہے کہ یہ کسی عظیم غایت پر منتہی ہو اور یہ غایت بغیر اس کے پوری نہیں ہو سکتی کہ اس کے بعد آخرت کو تسلیم کیا جائے۔

تیسری چیز وہ ربوبیت کا نظام ہے جو اس کے ہر گوشے میں جلوہ گر ہے۔ ربوبیت مسئولیت کو مقتضی ہے جس نے ہمارے لیے زندگی اور پرورش کا یہ سارا نظام قائم کیا ہے اس کا ہم پر فطری طور پر حق قائم ہوتا ہے اور لازم ہے کہ ایک دن اس حق کی بابت ہم سے پرسش ہو جنھوں نے اس حق کو پہچانا ہو وہ اس کا انعام پائیں اور جنھوں نے اس کی ناقدری کی ہو وہ اس کی سزا بھگتیں۔ اس اعتبار سے یہ جزا اور سزا کی دلیل ہوئی۔

یہاں جس طرح قرآن نے اشارے پر اکتفا کیا ہے اسی طرح ہم بھی اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ دوسرے مقامات میں یہ سارے پہلو نہایت تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔

شرک کی تردید

'قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ...... الآیۃ' لفظ 'ولد'، مذکر، مونث، جمع، مثنیٰ سب کے لیے آتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کو بیٹے کے معنی میں لیا ہے ان کی بات زبان اور عرب کے عقائد دونوں کے خلاف ہے۔ یہاں عقائد مشرکین عرب کے زیر بحث ہیں اور مشرکین عرب کسی کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تھے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

'سُبْحٰنَهٗ' یعنی یہ بات خدا کی صفات الوہیت کے منافی ہے کہ اس کے لیے اولاد مانی جائے اس لیے کہ جو اولاد ہوگی وہ خدا کی ذات کا ایک جزو اور اس کی مثیل و نظیر ہوگی اور یہ شرک فی الذات اور اس کی بے ہمگی اور بے ہمتائی کی نفی ہے۔

'هُوَ الْغَنِيُّ' یعنی خدا اس بات سے مستغنی ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ آدمی کو اولاد کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس کی نسل کی بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے کاروبار میں اس کی مددگار ہوتی ہے جب وہ

بوڑھا ہوتا ہے تو اس کو سہارا دیتی ہے۔ خدا ان تمام ضروریات و حالات سے بالا و برتر، مستغنی اور بے نیاز ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا، سلطان کے معنی دلیل کے ہیں۔ یعنی تمھارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے بس یونہی خدا پر ایک تہمت جوڑ رہے ہو۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ ...... الآیۃ 'فلاح' کا لفظ قرآن میں عاقبت کار کی کامیابی و سرخروئی کے لیے آتا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر شرک کی تہمت جوڑ رہے ہیں وہ عاقبت کار کی کامیابی سے محروم ہیں۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ...... الآیۃ یعنی ان کے لیے بس اس دنیا کی زندگی میں چند روزہ نفع اٹھا لینے کی مہلت ہے۔ پھر سب کی واپسی ہماری طرف ہو گی اور ہم ان کے کفر کی پاداش میں ان کو اپنے عذاب سخت کا مزہ چکھائیں گے۔

۱۰- آگے کا مضمون ____ آیات ۷۱-۹۳

آگے حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کسی قدر تفصیل کے ساتھ اور درمیان کے رسولوں کی اجمالاً مذکور ہوئی ہے۔ مقصود ان سرگزشتوں کے حوالہ سے انہی حقائق کو تاریخ کی روشنی میں واضح کرنا ہے جو اوپر عقل و فطرت کے دلائل سے مبرہن کیے گئے ہیں۔ ان میں پیغمبرؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے سرمایۂ تسکین اور آپؐ کے معاندین و مخالفین کے لیے پورا پورا درس عبرت موجود ہے۔ فرق اگر ہے تو نام و مقام اور زمانے کا ہے۔ اصل داستان اس قدر باہمدگر مشابہ ہے کہ نام و مقام کے فرق کو نظر انداز کر دیجیے تو سرے سے کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا ____ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷۱-۹۳
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ
فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً
ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ
اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ
مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا
الْكِبْرِيَاۗءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى
اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ
السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ ۧ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى ع ١٢ / ١٣
اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰي خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ
وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ
مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ ۙ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ

قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ
اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ
رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ
دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَ
جٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ
عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْٓ
اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ
قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ
۹ ع ۱۴ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ
لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ
فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ آیات ۷۱-۹۳ اور ان کو نوحؑ کی سرگزشت پڑھ کر سناؤ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، اگر تم پر تمہارے اندر میرا ٹھکنا اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرنا گراں ہو گیا ہے تو میں نے بس اللہ پر بھروسہ کیا۔ تم اپنی رائے مجتمع کر لو اور اپنے شرکاء کو بھی ملا لو پھر تمہارے فیصلہ میں کوئی تذبذب باقی نہ رہے اور میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ پس اگر تم اعراض کرو گے تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا ہے۔ میرا اجر تو بس

اللہ ہی پر ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے بنوں۔ تو انھوں نے اس کو جھٹلا دیا تو ہم نے اس کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو ہوشیار کیا جا چکا تھا!! ۷۱-۷۳

پھر ہم نے اس کے بعد رسول بھیجے ان کی اپنی قوموں کی طرف تو وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ اس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حدود سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں۔ ۷۴

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو انھوں نے گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ کیا تم حق کو سحر کہتے ہو جب کہ وہ تمھارے پاس آچکا ہے۔ بھلا، یہ سحر ہے؟ اور ساحر کبھی فلاح نہیں پاتے۔ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور ملک میں سیادت تم دونوں کو حاصل ہو جائے؟ اور ہم تو تم دونوں کی بات کبھی ماننے والے نہیں اور فرعون نے حکم دیا کہ میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو حاضر کرو۔ تو جب جادوگر آئے موسیٰؑ نے ان سے کہا جو کچھ تمھیں پیش کرنا ہے اس کو پیش کرو تو جب انھوں نے پیش کیا موسیٰ نے کہا یہ جو کچھ تم لائے ہو، یہ جادو ہے بے شک اللہ اس کو نیست کر دے گا، اللہ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا اور اللہ مجرموں کے علی الرغم اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرتا ہے۔ تو موسیٰ کی بات نہ مانی مگر اس کی قوم کے

تھوڑے سے نوجوانوں نے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے بڑوں سے کہ مبادا وہ ان کو کسی فتنہ
میں ڈال دے۔ بے شک فرعون ملک میں نہایت سرکش اور حد سے بڑھ جانے والوں میں سے
تھا اور موسٰی نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر
تم اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر چکے ہو۔ وہ بولے کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب
ہمیں ظالموں کے ظلم کا آماجگاہ نہ بنا اور ہمیں اپنے فضل سے کافروں کے پنجۂ ستم سے چھڑا۔ ۸۵-۸۶

اور ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر ٹھہرا لو
اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز کا اہتمام کرو اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دے دو۔
اور موسٰیؑ نے دعا کی، اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے اعیان کو دنیا کی زندگی میں
شان و شوکت اور مال و اسباب سے بہرہ مند کیا، اے ہمارے رب کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو
بے راہ کریں، اے ہمارے رب ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو بند کر دے کہ وہ
ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔ فرمایا تمھاری دعا قبول ہوئی تو تم دونوں
جمے رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کیجیو جو علم نہیں رکھتے۔ ۸۷-۸۹

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا تو ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے فوجیوں نے
سرکشی اور زیادتی سے۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کے لپیٹ میں آگیا بولا کہ میں ایمان لایا
کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اس کے فرمانبرداروں میں
بنتا ہوں۔ کیا اب! حالانکہ تم نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تم فساد برپا کرنے والوں میں سے
تھے۔ پس آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی بنے اور بے شک
بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہی رہتے ہیں۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو عزت

کا ٹھکانا دیا اور ان کو اچھا رزق بخشا اور انھوں نے نہیں اختلاف برپا کیا مگر اس وقت جبکہ ان کے پاس علم آگیا، تیرا رب ان چیزوں کے باب میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ ۹۰-۹۳

۱۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوْٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (۷۱)

حضرت نوحؑ کی سرگزشت سب سے قدیم سرگزشت ہے

پچھلی قوموں میں سے سب سے قدیم قوم، جس کی بربادی کی روایات عربوں میں مشہور تھیں، وہ نوحؑ کی قوم تھی۔ اس وجہ سے قرآن میں جب تاریخی ترتیب سے قوموں کی سرگزشت بیان ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی قوم کا ذکر آتا ہے۔ اعراف آیات ۵۹-۶۴ میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ وہاں ہم اس کے محل وقوع اور اس کے تخمینی زمانہ کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ 'نَبَا' کے لفظ پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر کے بتا چکے ہیں کہ اس سے مراد کوئی اہم واقعہ ہوتا ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے یہاں پتہ چلتا ہے کہ مقصود نوحؑ اور قوم نوحؑ کی زندگی کے کسی اہم موثر اور کسی فیصلہ کن واقعہ کی سرگزشت سنانا ہے، مؤرخوں کی طرز کی مجرد داستان سرائی پیش نظر نہیں ہے۔

إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ مقام سے مراد اپنی قوم کے اندر وہ طویل قیام ہے جو حضرت نوحؑ کو حاصل ہوا۔ عنکبوت آیت ۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے اندر ایک مدت دراز تک تبلیغ و دعوت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ ان کے معاندین و مخالفین ان کی دعوت سے، جیسا کہ ہود آیت ۳۲ سے واضح ہو رہا ہے، بالکل تنگ آگئے۔ اسی مرحلہ میں حضرت نوحؑ نے یہ بات فرمائی ہے اور یہ درحقیقت تمہید ہے اس چیلنج کی جو آگے آرہا ہے۔

حضرت نوحؑ کا چیلنج

'فَأَجْمِعُوْٓا أَمْرَكُمْ ...... الاٰیۃ' 'امر' سے مراد رائے اور فیصلہ ہے۔ یعنی تم میرے باب میں اجتماعی طور پر ایک قطعی فیصلہ کر لو اور اپنے ان معبودوں کو بھی اس فیصلہ میں شریک کر لو جن کو تم خدا کی خدائی میں شریک گردانتے ہو۔ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ 'غُمَّة' کسی ڈھانک لینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن محاورۂ کلام میں جب کہیں گے 'هُوَ فِيْ غُمَّةٍ' تو اس کے معنی ہوں گے، وہ حیرانی اور تردد میں ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ ایسا قطعی فیصلہ کرلو کہ اس میں کوئی تردد و تذبذب باقی نہ رہے۔ 'ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ' 'اقْضُوْا' کے بعد 'اِلٰی' اقدام پر دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قطعی فیصلہ کر کے مجھ پر اقدام کرو اور پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے وہ میری حفاظت فرمائے گا۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (۷۲)

یعنی اگر تم غور و فکر کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اس روش اعراض پر جمے رہنا ہے تو مجھے اب تمھاری کوئی پروا نہیں ہے۔ میں تمھیں جو تبلیغ و تذکیر کر رہا تھا اس کا میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں لے رہا تھا کہ اس سے محروم ہو جانے کا غم ہو۔ میری محنت کا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔ وہ مجھے محروم نہیں فرمائے گا۔ مجھ پر یہ ذمہ داری بھی نہیں ڈالی گئی تھی کہ لازماً تم کو مومن و مسلم ہی بنالوں۔ مجھے تو یہ حکم ملا تھا کہ میں اپنے رب کے فرماں برداروں میں بنوں۔ سو میں اسی کا فرمانبردار ہوں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ (۷۳)

قریش کو انذار

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ پہلے مکذبین کے غرق کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ حضرت نوحؑ اور ان کے باایمان ساتھیوں کی نجات کا ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ سنت الٰہی یہی ہے کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر جب عذاب آیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اہل ایمان کی حفاظت کا اہتمام فرمایا ہے۔ 'وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ' یعنی مکذبین کو غرق کر کے ان کی جگہ زمین کی وراثت حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو بخشی۔ 'فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ'، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس سرگزشت کے سنانے سے پیش نظر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتمام حجت ہو چکنے کے بعد جس طرح قوم نوحؑ کا بیڑا غرق ہو گیا اسی طرح قریش کا بھی قصہ پاک ہو جائے گا اگر انھوں نے تمھارے انذار سے آنکھیں نہ کھولیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ (۷۴)

بعد کے رسولوں کی طرف ایک اجمالی اشارہ

یہاں رسولوں کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہے جو حضرت نوحؑ کے بعد آئے۔ یہاں ان کی تفصیل نہیں کی ہے بلکہ سرسری اشارہ کر کے بعد والی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت لے لی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل بعد والی سورہ —— سورۂ ہود —— میں آئی ہے جو اس سورہ کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا ذکر بھی مفصل ہوا ہے اور قوم نوحؑ اور قوم موسیٰ کے حالات کے بھی بعض وہ گوشے روشنی میں آئے ہیں جو یہاں مخفی رہ گئے تھے۔ اجمال کے بعد تفصیل کا یہ اسلوب قرآن مجید میں بہت استعمال ہوا ہے۔

توفیق ایمان کے باب میں سنت الٰہی

'فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ..... الایۃ' میں اس سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو توفیق ایمان کے باب میں

بار بار بیان ہوئی ہے اور جس کی وضاحت ہم ایک سے زیادہ مقامات میں کر چکے ہیں کہ جو لوگ عقل و فطرت کے بدیہیات اور یقینیات کو جھٹلا دیتے ہیں ان کو رسول کے انذار سے بھی کوئی نفع نہیں پہنچتا ہے۔ ایسے لوگوں پر رسول کے ذریعہ سے اتمام حجت ہوتا ہے اور اس اتمام حجت کے نتیجہ میں ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ 'اعتداء' کے معنی حدود الٰہی سے تجاوز کے ہیں۔ جو لوگ خدا کے مقرر کیے ہوئے تمام حدود توڑ تاڑ کے رکھ دیتے ہیں ان کے اندر حدود کے احترام کا احساس ہی مردہ ہو جاتا ہے اور اس احساس کے مردہ ہو جانے کے بعد ان سے کسی خیر کی امید عبث ہے۔ ایسے مردے کسی کے جھنجھوڑنے سے بھی نہیں جاگتے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (۷۵)

حضرت موسیٰؑ کا اتمام حجت

لفظ 'ملاء' پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔ 'آیات' سے مراد وہ آیاتِ الٰہی بھی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو سنائیں اور وہ نشانیاں بھی ہیں جو انھوں نے ان کو دکھائیں۔ 'وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ' سے اسی فساد قلب و عقل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے کہ چونکہ پہلے سے یہ اپنے دل اور عقل کی آنکھیں پھوڑ چکے تھے اس وجہ سے کسی چیز سے بھی انھوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ فرعون اور اس کے اعیان کے پاس رسول کی حیثیت سے گئے تھے اس وجہ سے انھوں نے لازماً ان کے اوپر اللہ کی حجت تمام کی۔ اس کے بغیر رسول کا مشن پورا نہیں ہوتا اس وجہ سے ان لوگوں کا خیال صحیح نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک قوم پرست لیڈر کی طرح فرعون سے صرف بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا، اس کے آگے ایمان و اسلام کی کوئی دعوت نہیں پیش کی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (۷۶-۷۷)

حق اور سحر کا فرق

'حق' کے معنی ہیں ایک واضح، مبرہن اور مدلل حقیقت۔ یہاں اس سے مراد حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کا فرعون اور اس کے اعیان کے سامنے نہایت کھلے ہوئے معجزات کے ساتھ یہ دعویٰ ہے کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں۔ اس دعوے کی تردید میں انھوں نے کہا کہ تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے۔ جو نشانی تم دکھا رہے ہو یہ کوئی خدائی نشانی نہیں ہے بلکہ یہ صریح جادو ہے اور یہ چیز تم سے کہیں زیادہ ہمارے اپنے جادوگروں کے پاس ہے۔

'اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ' میں 'تَقُوْلُوْنَ' کا مفعول بتقاضائے بلاغت حذف ہے اور 'لِلْحَقِّ' میں 'ل' 'فی' کے معنی میں ہے یعنی تم ایک واضح حق کے باب میں کہتے ہو کہ یہ سحر ہے۔ لفظ سحر کو یہاں حذف کر دینے سے یہ بات نکلتی ہے کہ متکلم کو حق کے باب میں یہ نقل کفر بھی اس درجہ ناگوار ہے کہ وہ اپنی زبان کو اس سے آلودہ کرنا

پسند نہیں کرتا۔ 'لَمَّا جَآءَكُمْ' کی بلاغت بھی یہاں قابلِ لحاظ ہے۔ 'حق' جب تک نگاہوں سے اوجھل ہو اس وقت تک تو اس کی نسبت کوئی شخص اگر کوئی نظریاتی بحث اٹھائے تو اس کو کسی حد تک معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب حق سامنے موجود ہو تو اس کے باب میں کٹ حجتی کرنا ویسا ہی ہے جس طرح کوئی نصف النہار کے سورج کے بارے میں تردد کا اظہار کرے۔ ہم سورۂ اعراف میں واضح کر چکے ہیں کہ سحر اور معجزہ کے درمیان جو فرق ہے وہ اصلاً منطق سے نمایاں نہیں ہوتا بلکہ دونوں کے ظہور کی نوعیت، اذہان و قلوب پر دونوں کے اثرات اور دونوں کے پیش کرنے والوں کے کردار سے نمایاں ہوتا ہے۔ 'وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ' یعنی ساحر کبھی کسی پائدار کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتے۔ ان کے کرشموں اور شعبدوں کی چمک دمک عارضی ہوتی ہے۔ بالخصوص جب وہ حق کے مقابل میں آتے ہیں تب تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی ٹک نہیں سکتے۔ معجزے کے آفتابِ تاباں کے آگے ان کے دیے بالکل ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہ جملہ حضرت موسیٰؑ کی طرف سے فرعونیوں کو ایک چیلنج بھی ہے کہ اگر اس کو سحر کہتے ہو تو جب تم اس کے مقابلے کے لیے اپنے ساحروں کو لاؤ گے تو ساری حقیقت تم پر کھل جائے گی کہ رسول کے معجزے اور ساحر کے سحر میں کیا فرق ہوتا ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ
وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ (۷۸)

حضرت موسیٰؑ پر ایک سیاسی الزام

فرعونیوں کا یہ فقرہ نہایت زہر آلود ہے۔ انھوں نے اپنی قوم کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے خلاف بھڑکانے کے لیے ان پر آبائی دین اور ملک کی حکومت، دونوں کے خلاف بغاوت برپا کرنے کا الزام تھوپ دیا کہ تم ہمارے آبائی دین سے بھی ہم کو برگشتہ کرنا چاہتے ہو اور تمھاری یہ آرزو بھی ہے کہ اس ملک کا اقتدار تم دونوں کے ہاتھ آ جائے۔ ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں تورات کے حوالوں کی روشنی میں واضح کر چکے ہیں کہ مصر میں اس وقت جو ارسٹوکریسی برسرِ اقتدار تھی وہ اسرائیلیوں کی روز افزوں ترقی پذیر تعداد سے بہت خائف تھی کہ مبادا ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ یہ قبطیوں کو ہٹا کر خود اقتدار پر قابض ہو جائیں چنانچہ اسرائیلی بچوں کو قتل کر دینے کی جو سنگدلانہ اسکیم چلائی گئی تھی اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس طرح بنی اسرائیل کی تعداد کو کنٹرول میں رکھا جا سکے۔ چونکہ یہ خطرہ ذہنوں میں موجود تھا اس وجہ سے جب حضرت موسیٰؑ کی دعوت بلند ہوئی تو اس کے خلاف یہ اشتعلہ بھی چھوڑ دیا گیا کہ یہ ملک میں اقتدار حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تاکہ قبطی عصبیت پوری طرح ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ
اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۷۹-۸۲)

حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کا مقابلہ

'وَقَالَ فِرْعَوْنُ ..... الاٰیۃ' فرعون اور اس کے درباریوں سے یہ حقیقت تو مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ نہ حضرت

موسیٰؑ ساحر ہیں اور نہ جو کچھ وہ پیش کر رہے ہیں، وہ سحر ہے لیکن چونکہ ان کی بات مان لینے کی صورت میں اس کو اپنی اور اپنی مزعومہ خدائی کی موت نظر آتی تھی، اس وجہ سے اس کو مفر کی شکل یہی نظر آئی کہ ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو بلا کر ان سے حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کرایا جائے کہ شاید اس طرح بات بن جائے۔ اگرچہ یہ ایک صریح حماقت تھی لیکن کسی حقیقت کو نہ ماننے کی خواہش ایک ایسی خواہش ہے جس کی خاطر انسان بہت سی حماقتیں کر گزرتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا اعتماد علی اللہ

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ ..... الآیۃ ساحروں سے حضرت موسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ "جو کچھ تم پیش کرنا چاہتے ہو وہ پیش کرو" اپنے مشن پر غایت درجہ اعتماد کی دلیل ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر پورا بھروسہ تھا کہ خواہ جادوگر جتنا بڑا جادو بھی دکھائیں ان کے پاس اس کا توڑ موجود ہے۔ اس وجہ سے انھوں نے کسی پیش بندی سے بے نیاز ہو کر انہی کو پہل کرنے کا موقع دیا اور یہ گویا میدان مقابلہ میں ان کی پہلی جیت تھی۔ اس لیے کہ اس کے بعد حریف کو جو شکست ہوئی وہ خود اس کے اپنے منتخب کیے ہوئے میدان میں ہوئی۔

باطل کی چمک دمک عارضی ہوتی ہے

فَلَمَّآ اَلْقَوْا ..... الآیۃ جب حضرت موسیٰؑ نے ان کا جادو دیکھا تو فرمایا مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ کہ یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے، یہ جادو ہے۔ یہ فرعونیوں کے اس قول کا جواب ہے جو اوپر آیت ۷۶ میں گزرا، قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ کہ انھوں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزے کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کے اسی قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے معجزے کو جادو کہتے تھے، جادو وہ نہیں تھا۔ جادو یہ ہے جو تم نے پیش کیا ہے اور تم اب حق کے مقابلہ میں اس کی بے حقیقتی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (اللہ اس کو نابود کر دے گا) اس لیے کہ باطل اپنی چمک دمک اسی وقت دکھاتا ہے جب تک حق سے اس کا مقابلہ نہیں ہوتا، جب حق ظاہر ہو جاتا ہے تو باطل جھاگ کی طرح بیٹھ جایا کرتا ہے۔ یہی حقیقت دوسرے مقام میں یوں واضح فرمائی گئی ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہوا، اس لیے کہ باطل نابود ہی ہونے والی چیز ہے)

حق غالب ہو کر رہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ، لفظ 'اصلاح' یہاں بارآور اور نتیجہ خیز کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ سورۂ محمدؐ آیات ۲-۵ میں بھی استعمال ہوا ہے یعنی مصلحین جو حق لے کر اٹھتے ہیں ان کے مقابل میں مفسدین کی مفسدانہ کوششیں کبھی بارآور نہیں ہوتیں۔ امتحان و آزمائش کا مرحلہ گزرنے کے بعد غلبہ بالآخر حق ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ..... الآیۃ یعنی مجرمین و مفسدین خواہ حق کو دبانے کی کتنی ہی کوششیں کریں لیکن جو لوگ اللہ کا کلمہ لے کر اٹھتے ہیں، اللہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق کا بول بالا کرتا ہے۔[1]

---

[1] یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں حق و باطل کی وہ کشمکش زیر بحث ہے جو ایک رسول کی بعثت سے ظہور میں آتی ہے۔ رسول کے لیے، جیسا کہ ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں، بالآخر غلبہ لازمی ہے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہِمْ اَنْ یَّفْتِنَہُمْ ط وَ
اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ج وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ (۸۳)

حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی ساتھی

'ذُرِّیَّۃٌ' کا لفظ صرف قلت تعداد کو ظاہر نہیں کرتا، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے ان کی قوم کے اندر سے صرف تھوڑے سے نوجوان تھے۔ حضرات انبیاءؑ کے معاملے میں سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ شروع شروع میں ان کا ساتھ بالعموم نوجوانوں نے ہی دیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بھی اسی حقیقت کی شہادت دیتی ہے اور دوسرے انبیاءؑ کی تاریخ بھی اگر تفصیل سے معلوم ہو سکے تو اس سے بھی یہی بات ثابت ہوگی۔ اس کی واضح نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاءؑ جس ہمہ گیر دعوتِ اسلام کو لے کر اٹھتے ہیں اس کو ابتدائی مراحل میں آگے بڑھ کر قبول کرنا بڑی بلند حوصلگی بلکہ بڑے جان جوکھم کا کام ہوتا ہے۔ اس کی ہمت وہ لوگ آسانی سے نہیں کر سکتے جو روایات و رسوم سے مرعوب اور حالات و مصالح کی رعایت کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگوں کا حجاب آہستہ آہستہ ہی ٹوٹتا ہے۔ نوجوانوں میں اس قسم کی مرعوبیت و مغلوبیت کم ہوتی ہے اس وجہ سے ان کو جب دعوت حق اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کے لیے دنیوی عواقب سے بے پروا ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، نہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی سرزنش کی کچھ زیادہ پروا کرتے نہ وقت کے ارباب اقتدار کی برہمی کو خاطر میں لاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں حالات کا یہ خاص پہلو بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ملک میں جو ارسٹوکریسی برسراقتدار تھی وہ نسلاً بھی حضرت موسیٰؑ کی قوم سے بالکل الگ تھی اور اس دور میں جو شخص تختِ حکومت پر تھا، وہ بھی، جیسا کہ آیت کے الفاظ سے واضح ہے، طبعاً نہایت جبار اور سرکش تھا۔ ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ وہی لوگ ان کا ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھ سکتے تھے جو اپنی حمیت حق کے جوش و جذبہ کو دبا سکنے پر قادر نہ ہوں۔

'اٰمَنَ لَہٗ' اور 'اٰمَنَ بِہٖ' کا فرق

ان نوجوانوں کے ایمان کو قرآن نے 'اٰمَنَ لَہٗ' سے تعبیر کیا ہے۔ عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ 'اٰمَنَ لَہٗ' اور 'اٰمَنَ بِہٖ' میں بڑا فرق ہے۔ 'اٰمَنَ لَہٗ'، تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے دعوے یا اس کی خبر کو سچ مان لیں۔ اس کے لیے جوانگی، تفویض، تسلیم اور انقیاد و اطاعت شرط نہیں ہے لیکن 'اٰمَنَ بِہٖ' کا تقاضا پورا کرنے کے لیے یہ ساری چیزیں شرط ہیں۔ نبی اور رسول کے معاملے میں صرف 'اٰمَنَ لَہٗ' کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے 'اٰمَنَ بِہٖ' کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ اس مرحلے تک کچھ اسرائیلی نوجوانوں نے حضرت موسیٰؑ کے دعوے کی صداقت تو تسلیم کر لی تھی لیکن ابھی 'اٰمَنَ بِہٖ' کے مقام تک وہ نہیں پہنچے تھے اس وجہ سے ان کے اعتراف و قبولیت کو قرآن نے 'اٰمَنَ لَہٗ' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ حقیقت چونکہ حضرت موسیٰؑ پر واضح تھی اس وجہ سے انھوں نے ان نوجوانوں کو ایمان کی اصل حقیقت سمجھائی جس کا ذکر آگے والی آیت میں آ رہا ہے۔

بنی اسرائیل کے اکابر کا حال

'مَلَاۡئِہِمۡ' میں ضمیر کا مرجع ذریت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان نوجوانوں کو فرعون کی طرف سے بھی خطرہ تھا کہ وہ حمایت موسیٰؑ کے جرم میں ان کو کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے اور اپنی قوم اور ملک کے اعیان و اکابر سے بھی اندیشہ تھا کہ اگر ان کو پتہ چل گیا کہ ہم حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہیں تو جھاڑ کے کانٹوں کی طرح پیچھے پڑ جائیں گے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اس مرحلہ تک خود بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کا رویہ بھی، حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہمدردی کے باوجود یہی تھا کہ وہ اپنے یا اپنی اولاد کے لیے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

'وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ' یعنی اول تو فرعون نہایت متکبر اور جبار تھا کہ اپنے آگے کسی کو سر اٹھاتے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ جب ظلم کرنے پر آتا تو اس کے ظلم کی کوئی حد نہ رہتی، بلکہ تمام حدود و لانگ جاتا۔

وَقَالَ مُوۡسٰی یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِکَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (۸۴-۸۶)

ایمان کی اصل حقیقت

'وَقَالَ مُوۡسٰی ..... الاٰیۃ' یہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو ایمان باللہ کی حقیقت سمجھائی ہے کہ اگر ایمان کا اظہار کیا ہے تو اس ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی راہ میں کسی کا ڈر اور کسی کا لحاظ حائل نہیں ہونا چاہیے بلکہ سب سے بے نیاز و بے پروا ہو کر اللہ کی راہ میں بڑھنا چاہیے اور اللہ پر پورا بھروسہ رکھنا چاہیے کہ جس نے یہ راہ کھولی ہے وہی اس میں پیش آنے والی مشکلات میں یار و ناصر ہو گا۔ گویا ایمان کا لازمی تقاضا خدا پر توکل ہے اور اس توکل کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دے یہی حوالگی اصل اسلام ہے۔

توکل کی حقیقت

'فَقَالُوۡا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا ...... الاٰیۃ' حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں نے ان کی یہ تعلیم قبول کی اور چونکہ وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ اس توکل کے معنی گوشہ نشینی کے نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں سرفروشی اور جان بازی کے ہیں اس وجہ سے عزم بالجزم کے اظہار کے ساتھ ہی انھوں نے دعا کی کہ اے رب ہمیں ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنانا۔ 'فتنہ' کے معنی یہاں ہدف اور نشانہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو اتنی ڈھیل نہ دینا کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے ہم کو بالکل ہی مظالم کا آماجگاہ بنا لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر توکل کے تقاضے پورے کرنے کے لیے جس طرح بندے کا عزم راسخ ضروری ہے اسی طرح ہر قدم پر خدا سے دعا و استعانت بھی ضروری ہے کہ وہ راہ کے فتنوں سے امان میں رکھے اور جو فتنے پیش آئیں ان سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔

'وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِکَ ..... الاٰیۃ' چونکہ یہ بات ابتدائی مرحلے ہی میں واضح ہو چکی تھی کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی غلامی سے چھڑانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس مقصد عزیز کے لیے بھی انھوں نے دعا کی۔ یہ دعا گویا ہجرت کی کامیابی کے لیے تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۸۷)

صبر اور توکل کے حصول کی تدبیر نماز

یہ تدبیر ارشاد ہوئی اس صبر اور توکل کے حصول کی جس کی تعلیم اوپر کی آیات میں دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حکم ہوا کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مقام نماز باجماعت کے لیے مخصوص کر لو جن میں بنی اسرائیل معین اوقات پر نماز کے لیے جمع ہوا کریں اور تم اپنے گھروں کو قبلہ قرار دے کر نماز باجماعت کا اہتمام کرو۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی پر مصائب زندگی میں دی گئی تھی۔ صبر و توکل اور نماز کے باہمی تعلق پر ہم ایک سے زیادہ مقامات میں بحث کر چکے ہیں۔

دینی تنظیم کا ابتدائی نقطہ

مصر کی غلامانہ زندگی میں بنی اسرائیل اپنی مذہبی تنظیم کی خصوصیات سے محروم ہو گئے تھے۔ ازاں جملہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اجتماعی نماز و دعا کی بھی کوئی شکل باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اب جب کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کے اندر تجدید کا کام شروع کیا تو ظاہر ہے کہ اس کا آغاز اسی نقطہ سے ہونا تھا جو دینی تنظیم کا ابتدائی نقطہ ہے۔ چنانچہ ان کو نماز کے قیام و اہتمام کا حکم ہوا اور اس کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مکانات مسجد کی حیثیت سے مخصوص کر لیے جائیں جن میں بنی اسرائیل اوقات نماز میں مجتمع ہو جایا کریں۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ تمام بنی اسرائیل کا مصر کے مختلف حصوں سے ایک جگہ جمع ہونا ناممکن ہوتا۔

جب متعدد مسجدیں ہوئیں تو ان میں وحدت پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ کوئی مسجد سب کے قبلہ کی حیثیت سے معین ہو، اس لیے حکم ہوا۔ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ’اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ‘۔ میرا ذہن ان الفاظ سے اس طرف جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے آس پاس کے بنی اسرائیل کی نماز کے لیے مخصوص فرمائے ہوں گے۔ چونکہ دعوت و ہدایت کے مرکز کی حیثیت انہی گھروں کو حاصل تھی اس وجہ سے اس عبوری دور میں انہی گھروں کو عارضی طور پر قبلہ کی حیثیت دے دی گئی۔ بعد میں جب بنی اسرائیل نے ہجرت کی تو اس کے بعد سے بیت المقدس کی تعمیر تک ان کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس تابوت کو حاصل رہی جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ’یہ اہل ایمان کو بشارت ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہیں گے، نماز کا اہتمام رکھیں گے، اللہ ان کو تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رکھے گا اور ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں فوز و فلاح عطا فرمائے گا۔ اس بشارت کا ذکر آیت ۲ میں گزر چکا ہے، وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (اور ایمان لانے والوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس عزت کی پائگاہ ہے) اور خاص بنی اسرائیل کے لیے یہ بشارت جس شکل میں ظاہر ہوئی اس کا ذکر آگے آیت ۹۳ میں ہوا ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (۸۸)

رسولوں کے مکذبین کے باب میں سنت الٰہی

یہ دعا حضرت موسیٰؑ نے اس وقت فرمائی ہے جب سارے جتن کر چکنے کے بعد وہ فرعون اور اس کی قوم کے ایمان سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہی مرحلہ ہے جس میں حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے معاندین کے لیے ان الفاظ میں دعا کی ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا
مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۚ
وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ ....
وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ
اِلَّا ضَلٰلًا ۚ .... وَقَالَ
نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۚ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ
يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا
فَاجِرًا كَفَّارًا ۚ (۲۱-۲۷ - نوح)

نوحؑ نے دعا کی، اے میرے رب انھوں نے میری بات
رد کر دی اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے
اس کے خسارے ہی میں اضافہ کیا اور انھوں نے بڑی بڑی
چال چلی .... اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کر ڈالا
اور تو ان ظالموں کی ضلالت ہی میں اضافہ کر .....
اور نوحؑ نے دعا کی اے میرے رب، تو زمین پر
کافروں میں سے کسی کو چلتا پھرتا نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو
چھوڑے گا یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور صرف
ناب کاروں اور ناشکروں کو جنم دیں گے۔

یہ بات ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ رسول اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے اتمام حجت کے بعد اگر کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اندر قبول حق کی ادنیٰ صلاحیت بھی باقی نہیں رہی ہے۔ اب اگر وہ خدا کی زمین پر باقی رہے تو دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے اندر سے کسی خیر کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس وجہ سے سنتِ الٰہی یہ رہی ہے کہ جن قوموں پر کسی رسول کے ذریعہ سے حجت تمام ہوتی اس کے مکذبین ایک خاص حد تک مہلت دیے جانے کے بعد لازماً تباہ کر دیے گئے ہیں۔ اس دنیا کے اندر زندگی کی جو مہلت قوموں کو ملتی ہے وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ملتی ہے، شرمحض کی پرورش اس کائنات کے مزاج کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا اس وقت کی ہے جب ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ ان سرکشوں کی آنکھوں کی پٹی عذاب الٰہی کے سوا اب کوئی دوسری چیز نہیں کھول سکتی۔

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ عربی میں 'ل' بسا اوقات کسی چیز کے اس انجام اور نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے جو اس سے ظہور میں آتا ہے۔ یعنی تو نے ان کو جو مال و اسباب عطا فرمائے وہ ان کے لیے شکر گزار رہنے کے بجائے طغیان و فساد کا سبب بنے اس وجہ سے، اے ہمارے رب، اب تو ان کو مزید مہلت نہ دے کہ یہ تیری مخلوق کو گمراہ کریں۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر وہ پٹی باندھ

جس کو تیر اعذاب ہی کھولے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں نے رسول کے تمام دلائل اور تمام نشانیوں سے آنکھیں بند کر کے ہمیشہ اس بات پر اصرار کیا ہے کہ جب تک ان کو وہ عذاب نہ دکھا دیا جائے جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اس وقت تک وہ ایمان نہیں لانے کے۔ یہی مطالبہ فرعون اور اس کی قوم کا بھی تھا۔ ان کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر، ان کے ایمان سے کلیتہً مایوس ہو جانے کے بعد، حضرت موسیٰؑ نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اسی چیز کی درخواست کی جس کے لیے وہ لیفد تھے۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۸۹)

مکذبین پر ہلاکت جو دعا صحیح طریقہ اور ٹھیک وقت پر کی جاتی ہے اس کی قبولیت میں دیر نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰؑ اور
کی تیر بہدف حضرت ہارونؑ پر دعوت و اصلاح اور انذار و تبلیغ کی جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی چونکہ وہ کماحقہٗ ادا ہو چکی تھی
دعا اس وجہ سے ان کی دعا قبول ہو گئی اور ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ اب آگے کے مرحلہ میں ان سرکشوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو معاملہ کرنے والا ہے اس کو جی کڑا کر کے دیکھنا۔ ان کی درگت دیکھ کر ان کے لیے دل میں نہ کوئی نرمی و رأفت پیدا ہو، نہ ان کے حق میں کوئی کلمۂ سفارش کہنا اور نہ کسی پہلو سے اب ان کی چھوت تم کو یا تمھارے ساتھیوں کو لگنے پائے۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت حضرت نوحؑ کو، ان کی قوم کے باب میں فیصلۂ عذاب ہو جانے کے بعد کی گئی تھی جس کا ذکر سورۂ ہود میں یوں ہوا ہے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ (۳۷ - ھود)

اور کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو، یہ لازماً غرق کیے جائیں گے۔

بعینہٖ اسی قسم کے سیاق و سباق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو یہ ہدایت کی گئی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ. (۱۱۲-۱۱۳ ھود)

پس جس طرح تمھیں حکم ملا ہے تم اور جن لوگوں نے تمھارے ساتھ توبہ کی ہے، جمے رہو اور سرکشی نہ کیجیو، بے شک وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کو دیکھ رہا ہے اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جیو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ تم کو بھی دوزخ کا عذاب پکڑ لے اور تمھارے لیے اللہ کے مقابل میں کوئی مددگار نہ ہوگا، پھر تمھاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔

اس قسم کی تنبیہ کا مقصد درحقیقت اپنے گلے کے راعیوں کو ہوشیار و آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ چوکنے رہو کہ تمھارے گلے کی کوئی بھیڑ اس گلے سے نہ جا ملے جس کی ہلاکت اب مقدر ہو چکی ہے اور جس پر اللہ کا عذاب بس آنے ہی والا ہے۔ اس قسم کے مواقع میں خطاب بظاہر پیغمبر سے ہوتا ہے لیکن کلام کا رخ، جیسا کہ دوسرے

مواقع میں ہم واضح کر چکے ہیں، دوسروں کی طرف ہوتا ہے چنانچہ ہود کی محولہ بالا آیات میں اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہے کہ خطاب پہلے واحد سے ہوا، پھر صیغہ جمع کا آگیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (۹۰-۹۲)

بنی اسرائیل کی نجات کا خدائی اہتمام

'وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ ...... الایۃ' یہ خاص خدائی اہتمام میں بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دینے کی تعبیر ہے گویا کوئی کسی کو اپنے کندھے پر سوار کرا کے دریا پار کرا دے۔ اس کی شکل کیا ہوئی؟ یہ سوال بحث طلب ہے۔ ہم اس سوال پر اس مقام میں بحث کریں گے جہاں قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ قدرت کے عجائب تصرفات میں سے ہے کہ جس مقام سے سمندر نے بنی اسرائیل کو خشک راستہ دیا اسی مقام سے گزرتے ہوئے فرعون اپنی فوجوں کے ساتھ غرق ہو گیا۔ فرعون کے اس تعاقب کو قرآن نے 'بغی' اور 'عدو' یعنی سرکشی اور تعدی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا یہ فعل یوں تو ہر پہلو سے سرکشی اور تعدی تھا لیکن اس کا یہ پہلو خاص طور پر یہاں قابل لحاظ ہے کہ ایک مدت کی کشمکش کے بعد فرعون نے خود بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دی تھی۔ اس اجازت کے بعد پیچھے سے ان پر فوجیں لے کر چڑھ دوڑنا ایک ایسی زیادتی تھی جو اس کی تمام زیادتیوں پر بازی لے گئی۔ ڈوبتے وقت فرعون کا اقرارِ توحید اس تصریح کے ساتھ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ اس کی بے بسی کی کامل تصویر ہے جو فراعنہ اور متمردین پر اس وقت طاری ہوا کرتی ہے جب وہ خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔ اس وقت وہ ناک رگڑ رگڑ کے اس حقیقت کا اظہار و اعلان کرتے ہیں جس کا نام سننا بھی ان کو اس سے پہلے گوارا نہیں ہوتا۔

'آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ ..... الایۃ' یعنی اب ماننے جب ماننے کا وقت گزر گیا۔ اب مسلم بننے کا اقرار کرتے ہو درآنحالیکہ ساری زندگی فساد میں گزری! یہ ضروری نہیں کہ بات قولاً کہی گئی ہو بلکہ غالب یہ ہے کہ یہ صورتِ حال کی تصویر ہو۔

قدرت کے انتقام کی ایک نشانی

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ ... الایۃ قدرت کے انتقام کی اس عظیم نشانی کے اندر ایک دوسری عظیم نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ فرعون کی لاش کو سمندر نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کو ایک نشانِ عبرت بنانے کے لیے باہر پھینک دیا اور یہ لاش بعد میں لوگوں کو ملی بھی اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو خدائی کا مدعی تھا اس کا انجام کیا ہوا ـــــ مصر میں لاشوں کو ممی کر کے محفوظ کرنے کا رواج تھا اور ایک فرعون کی ممی کی ہوئی لاش قاہرہ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ اس لاش کے بارے میں اثریات کے ماہرین چاہے اختلاف کریں کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے یا کسی اور کی۔ لیکن ان کے اٹکل پچو اندازوں کے،

مقابل میں قرآن کا یہ چودہ سو سال پہلے کا بیان زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ اس طرح قدرت نے اس کی لاش کو عبرت کی ایک ایسی نشانی بنا دیا جو آج کے فرعونوں کے لیے بھی محفوظ ہے لیکن دیکھنے کے لیے آنکھوں کی ضرورت ہے اور اس دنیا میں عبرت پذیر آنکھوں سے زیادہ کم یاب کوئی شے بھی نہیں 'وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ' میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۹۳)

بنی اسرائیل پر اللہ کا انعام و احسان کی ناشکری

'تبویہ' کے معنی متمکن کرنے کے ہیں اور 'صدق' کی طرف اس کی اضافت اس کے اندر مزید قوت و استحکام کے اظہار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دشمن کو پامال کیا اور بنی اسرائیل کو اپنے منتخب کردہ علاقے میں اقتدار و استحکام بخشا۔ یہ منتخب علاقہ، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں وضاحت ہو چکی ہے، اردن اور شام کا علاقہ ہے۔ 'وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ' سے علاقے کی زرخیزی و شادابی کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیلات تورات میں موجود ہیں اور قرآن نے بھی جگہ جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ 'فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ' اب یہ اس ناشکری اور ناسپاسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اتنے عظیم احسانات کے مورد ہونے کے بعد اللہ کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کے معاملے میں یہود نے کی۔ انھوں نے اس کے اندر طرح طرح کے اختلافات پیدا کر کے پائی ہوئی حقیقت گم کر دی اور اسی سرگشتگی اور حیرانی میں پھر مبتلا ہو گئے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس اہتمام سے ان کو نکالا تھا۔ 'حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ بدقسمت قوم ہے جس نے رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اس وجہ سے سارا بار الزام اس کے اپنے ہی کندھوں پر ہے۔ 'اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ ... الاية' یہ دھمکی ہے یہود کو کہ آج انھوں نے اللہ کے دین کے معاملے میں جو دھاندلی مچائی ہے اور کتاب الٰہی کی جن حقیقتوں پر پردہ ڈالا ہے سب کے فیصلے کے لیے اللہ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ اس دن ان کا سارا کچا چٹھا ان کے سامنے آ جائے گا اور ہر شخص اپنے جرم کی نوعیت کے لحاظ سے اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا۔

۱۲- آگے کا مضمون ——— آیات ۹۴-۱۰۹

خاتمۂ سورہ

آگے کا مضمون خاتمۂ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مکذبین پر عتاب ہے کہ ان کی روش تمھیں کسی تردد میں نہ ڈالے۔ جو چیز تم پر اتاری گئی ہے اگر یہ لاخیرے قسم کے لوگ اس کی تکذیب کر رہے ہیں تو اس کا غم نہ کرو۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پہلے سے کتاب کے حامل رہے ہیں، ان سے پوچھو تو وہ اس حق کی تائید کریں گے۔

پیغمبر صلعم کو تسلی

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ نہ خیال کرو کہ جو لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں اگر ان کو ان کے حسب منشا کوئی نشانی دکھا دی جائے تو یہ مومن بن جائیں گے۔ جو لوگ خدا کے قانون کی زد میں آئے ہوئے ہوں ان کو دنیا جہان کی نشانیاں دکھا دو پھر بھی وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ تاریخ میں صرف ایک مثال قوم یونس کی موجود ہے کہ وہ عذاب کے کنارے پہنچتے پہنچتے سنبھل گئی اور اس کے ایمان سے اس کو نفع پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کا ایمان لانا بہت محبوب ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ضمیر اور ارادے کی آزادی اور آفاق وانفس کی نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں۔ اس معاملے میں نہ وہ جبر کو پسند کرتا ہے اور نہ لوگوں کے مطالبۂ معجزات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جن کو نشانیاں مطلوب ہوں وہ آسمان وزمین کی نشانیوں پر غور کریں اور جن کو اس طرح کا کوئی عذاب مطلوب ہو جس طرح کے عذاب پچھلی قوموں پر آئے ان سے کہہ دو کہ اس کے لیے انتظار کرو میں بھی اس کا انتظار کر رہا ہوں۔

عقیدۂ توحید کا اعلان

آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دو ٹوک الفاظ میں عقیدۂ توحید کا اعلان کرایا ہے اور یہ اعلان گویا دین کفر و شرک سے آخری برأت و بیزاری کا اعلان ہے تاکہ مشرکین آخری درجے میں سمجھوتے کی توقع سے مایوس ہو جائیں اور جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر گزریں ــــ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۹۴ - ۱۰۹

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ
كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ
يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا
اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ
حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ع ١٠ ١١ ١٥
دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ
اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا تَدْعُ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ
اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا
يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ
حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع ١١ ٦ ١٦

پس اگر تم شک میں ہو اس چیز کے باب میں جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے تو ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے کتاب پڑھتے آرہے ہیں۔ بے شک تم پر تمھارے رب کی طرف سے حق نازل ہوا ہے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جیو جنھوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی کہ تم بھی نامرادوں میں سے ہو جاؤ۔ بے شک جن لوگوں پر ترجمۂ آیات ۹۴-۱۰۹

تیرے رب کی بات پوری ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لانے کے خواہ ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ پس کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی کہ اس کا ایمان اس کو نفع دیتا بجز یونس کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو دور کر دیا اور ایک وقت تک ان کو کھانے برتنے کا موقع دیا۔ ۹۸-۹۶

اور اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں سب ایمان قبول کر لیتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں؟ اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لا سکے مگر اللہ کے اذن سے۔ اور وہ گندگی لاد دیا کرتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۹۹-۱۰۰

ان سے کہو، آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اس کو دیکھو۔ اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو کچھ نفع نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ یہ تو بس اس طرح کے دن کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کے دن لوگوں کو پیش آئے جو ان سے پہلے گزرے۔ کہہ دو، انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم نجات دے دیتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو اور ایمان لانے والوں کو۔ ایسے ہی ہم پر حق ہے، ہم مومنوں کو نجات دیں گے۔ ۱۰۱-۱۰۳

کہہ دو، اے لوگو، اگر تم میرے دین کے باب میں شک میں ہو تو سن لو کہ میں ان کو نہیں پوجتا جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بلکہ میں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے بنوں۔ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر اطاعت کی طرف کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔ اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع پہنچاتیں نہ نقصان، اگر تم ایسا کرو گے تو بیشک تم ظالموں میں سے بن جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تمہیں کسی تکلیف میں پکڑے تو اس

کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے اور اگر وہ تمہارے لیے کوئی بھلائی چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، وہ اس سے نوازتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے۔ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۱۰۴-۱۰۷

کہہ دو، اے لوگو، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کا وبال اسی پر آئے گا۔ اور میں تمہارے ایمان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اور تم پیروی کرو اس چیز کی جو تم پر وحی کی جاتی ہے اور ثابت قدم رہو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ۱۰۸-۱۰۹

۱۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۙ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۹۴-۹۵)

خطاب پیغمبر سے عتاب مکذبین پر

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ ...... الایۃ' ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ خطاب بظاہر الفاظ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے لیکن اس میں جو عتاب مضمر ہوتا ہے اس کا رخ منکرین و مکذبین کی طرف ہوتا ہے، وہ اپنی ضد کے سبب سے چونکہ لائق خطاب نہیں رہ جاتے اس وجہ سے بات پیغمبر کو خطاب کر کے کہہ دی جاتی ہے۔ ایک سورج کی طرح واضح حق کی مخالفت پر بھی اگر یمین و لیسار کے سارے ہی لوگ ایکا کر لیں تو اس بات کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک نیک نیت اور راستباز آدمی کے دل میں بھی وہ کچھ تردد پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے تردد سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تنبیہ فرما دی گئی کہ ان مکذبین کا رویہ اس حق کے باب میں تمہیں کسی تردد میں نہ ڈالے جو اللہ نے تم پر اتارا ہے فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ' اگر یہ قرآن و کتاب سے ناآشنا لوگ اس نعمت کی ناقدری کر رہے ہیں تو اس کی پروا نہ کرو، جو لوگ پہلے سے کتاب کے حامل ہیں اور اس کو پڑھتے پڑھاتے ہیں ان سے پوچھو تو وہ اس کی تائید کریں گے۔ یَقْرَءُوْنَ، فعل یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس سے اشارہ یہاں صالحین اہل کتاب کی طرف ہے جن کی تائید و تصدیق کا حوالہ قرآن نے جگہ جگہ دیا ہے۔ اس میں ان صالحین کی حوصلہ افزائی بھی ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اس حق کا لوگوں سے تعارف کرائیں۔

جس سے وہ پہلے سے تعارف کی سعادت رکھتے ہیں۔

وَلَا تَكُونَنَّ ...... الآیۃ اس میں بھی خطاب پیغمبرؐ سے ہے لیکن عتاب کا رخ جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کی طرف ہے۔

یہاں جس انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اسی انداز میں سورۂ ہود میں بھی تسلی دی گئی ہے۔ فرمایا ہے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ	کیا وہ جو اپنے رب کی بخشی ہوئی ایک واضح دلیل پر ہے،
شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ	اس کے بعد مزید براں اس کی طرف سے ایک شاہد آتا ہے
إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ	اور اس کے پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت
بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ	سے موجود ہے۔ یہی لوگ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور
فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ	جماعتوں میں سے جو بھی اس کا انکار کریں گے ان کا ٹھکانا جہنم
إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ	ہے تو تم اس کی طرف سے شک میں نہ پڑو۔ یہ تمھارے رب
لَا يُؤْمِنُونَ (۱۷-ھود)	کی جانب سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (۹۶-۹۷)

ایک سنتِ الٰہی

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ ...... الآیۃ یہ اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کا اشارہ پیچھے آیت ۳۳ میں گزر چکا ہے كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جن لوگوں نے نافرمانی کی ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے) یعنی جو لوگ حق واضح ہونے کے باوجود اندھے بہرے بنے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے جس کے بعد ان کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ ...... الآیۃ یعنی ایسے لوگوں کی آنکھیں کسی معجزے سے بھی نہیں کھلتیں خواہ انھیں کتنے ہی معجزے دکھا دیے جائیں۔ ایسے لوگ صرف اس عذاب کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں جو ان کا فیصلہ کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان پر نازل فرماتا ہے۔ لیکن عذاب کو دیکھ کر جو ایمان لایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (۹۸)

تاریخ کی روشنی میں پیغمبر صلعم کو تسلی

یہ تاریخ کی روشنی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تم سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ان میں سے کسی رسول کی قوم کے لوگ بھی رسول پر اس وقت ایمان نہیں لائے جس وقت ایمان لانا نافع ہوا کرتا

ہے بلکہ اللہ کا عذاب دیکھ کر ایمان لائے جب ایمان لانا بے سود ہوجاتا ہے۔ صرف ایک مثال قوم یونس کی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس قوم کے لوگ بے شک عذاب کی گھڑی کے ظہور سے پہلے پہلے چوکنے ہوگئے، اللہ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی، یہ ایمان لائے اور ان کے ایمان نے ان کو نفع پہنچایا کہ اس عذاب سے یہ محفوظ رہے جس کے ظہور میں اب زیادہ دیر نہیں باقی رہ گئی تھی[1]

قریش کو ترہیب و ترغیب — پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کے ساتھ اس میں قریش کے لیے بھی ترہیب و ترغیب ہے کہ اب تمہارا پیمانہ بھی لبریز ہوا چاہتا ہے۔ اگر تم جلد متنبہ نہ ہوئے تو وہی انجام دیکھو گے جو دنیا کی بہت سی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ اب بھی موقع باقی ہے کہ تم ہلاکت کی اس عام راہ پر جانے کے بجائے قوم یونس کی روش اختیار کرو کہ تمہارا ایمان تمہارے لیے نافع ہو اور تم اس عذاب سے بچا لیے جاؤ جو تم پر منڈلا رہا ہے ——

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر کوئی اس طرح کا فیصلہ کن عذاب نہیں آیا جس قسم کا عذاب عاد و ثمود وغیرہ قوموں پر آیا بلکہ آپ کی قوم کے وہ سارے لوگ آہستہ آہستہ داخلِ ایمان ہوگئے جن کے اندر کچھ صلاحیت تھی، صرف شریر قسم کے لوگ اس سے محروم رہے اور وہ مختلف قسم کے غزوات میں اہلِ حق کی تلواروں سے ختم ہوگئے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (۹۹-۱۰۰)

پیغمبر صلعم کو مزید تسلی — 'وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ ...... الایۃ' یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ لوگوں کے ایمان نہ لانے سے تم پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ کو لوگوں کا ایمان لانا بہت پسند ہے بشرطیکہ لوگ اپنی عقل اور اپنے ضمیر کی رہنمائی میں ایمان لائیں۔ اس معاملے میں اس نے جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے۔ اگر وہ جبر کو پسند فرماتا تو سارے ہی لوگوں کو مومن بنا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ تمہارا فرض صرف حق تبلیغ ادا کر دینا ہے۔ یہ کام تم نے کر دیا۔ اس کے بعد لوگ ایمان نہیں لاتے تو ذمہ داری تمہاری نہیں ہے، لوگوں کی اپنی ہے۔ اب خدا کے ہاں پرسش ان سے ہونی ہے نہ کہ تم سے۔ تمہارا کام یہ نہیں ہے کہ تم لوگوں کو لازماً ایمان کے راستہ پر چلا ہی دو۔

ایمان کے باب میں سنت الٰہی — 'وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ ...... الایۃ' ایمان لانے اور نہ لانے کے باب میں جو سنت الٰہی ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو بھی ایمان لاتا ہے وہ اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے ایمان لاتا ہے اور یہ توفیق ان کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ کی بخشی ہوئی عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے ان کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی نجاست مسلط کر دیتا ہے جو ان کو بالکل اندھا بنا کر چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے ہی بھٹکتے پھرتے ہیں۔

---

[1] حضرت یونس علیہ السلام کے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کے واقعہ کی طرف یہاں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم بھی اس سے یہاں بحث نہیں کرتے۔ اس کے محل میں انشاء اللہ ہم اس کی نوعیت واضح کریں گے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝
فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝
ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۰۱-۱۰۳)

مطالبۂ معجزات کا جواب

'قُلِ انْظُرُوْا ..... الایۃ' یہ کفار کے مطالبۂ معجزات کا جواب دلوایا ہے کہ آسمان و زمین معجزات اور نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں ان سے کہو کہ معجزات کی طلب ہے تو ان نشانیوں اور معجزات کو دیکھو، یہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے بعد وضاحت فرما دی کہ نشانیاں اور ڈراوے انہی لوگوں کو نفع دیتے ہیں جن کے اندر ان سے نفع اٹھانے کا ارادہ پایا جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لانا چاہتے ان کو کوئی نشانی اور کوئی ڈراوا بھی نفع نہیں پہنچاتا۔ 'یُؤْمِنُوْنَ' فعل یہاں ارادۂ فعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور 'نُذُرٌ' سے مراد خاص طور پر وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے اندر اپنا خوف پیدا کرنے کے لیے ظاہر فرماتا ہے۔

'فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ ...... الایۃ' یعنی آفاق و انفس کے اندر پھیلی ہوئی نشانیوں کے اندر انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ تو اس قسم کے کسی فیصلہ کن عذاب کے منتظر ہیں جس قسم کے فیصلہ کن عذاب عاد و ثمود وغیرہ قوموں پر آچکے ہیں۔ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر اس قسم کے کسی عذاب کا انتظار ہے تو انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ یعنی اس قسم کے کسی عذاب کا لانا میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ ہی کے اختیار کی بات ہے۔ البتہ اس کے قرائن و آثار تمھارے اندر جمع ہوتے دیکھ رہا ہوں اس وجہ سے تم بھی اس کا انتظار کرو، میں بھی اس کا انتظار کرتا ہوں۔

قریش کو تنبیہ

'ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ..... الایۃ' اب یہ اس عذاب کا نتیجہ بتا دیا کہ کوئی اس کو بچوں کا کھیل نہ سمجھے۔ جب ہم اس قسم کا فیصلہ کن عذاب بھیجتے ہیں تو پھر اس سے نجات ہمارے رسول اور ان پر ایمان لانے والے ہی پاتے ہیں باقی سب اس کی لپیٹ میں آکر فنا ہو جاتے ہیں 'كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ' یہ قریش کو تنبیہ ہے کہ یہ جو سنتِ الٰہی بیان ہوئی ہے اب اس کی زد میں تم بھی ہو۔ اسی طرح ہم پر حق ہے کہ ہم تمھارے معاملے میں بھی کریں اور ان لوگوں کو نجات دیں جو ایمان لائے ہیں۔

ہم دوسرے مقام میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ رسولوں کے مکذبین پر جب آخری فیصلہ کن عذاب آتا ہے تو اللہ کے رسول اور ان پر ایمان لانے والے لازماً اس سے بچا لیے جاتے ہیں، صرف وہ لوگ اس کی زد میں آتے ہیں جو رسول کی تکذیب کرنے والے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ یہ ضابطہ صرف فیصلہ کن عذاب سے متعلق ہے۔ عام آزمائشیں جو محض تذکیر کے لیے ظاہر ہوتی ہیں وہ مومن و کافر سب کے لیے یکساں ہوتی ہیں البتہ مومن اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کافر ان سے اپنے اوپر صرف اللہ کی حجت تمام کراتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

حَنِيفًا ج وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ج فَإِنْ
فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِينَ ۝ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ ج وَإِنْ يُّرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (۱۰۳-۱۰۷)

آخری فیصلہ کن اعلان

قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ ...... الاٰیۃ، اب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آخری فیصلہ کن اعلان کرایا جا رہا ہے تاکہ کفار کے ذہن کے کسی گوشے میں اگر کوئی طمع خام اس قسم کا ہو کہ دباؤ ڈال کر آپ کو کچھ نرم کیا جا سکتا ہے تو وہ اس کو اپنے ذہن سے نکال دیں اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں وہ کر گزریں۔ اس قسم کا اعلان آخری مرحلے میں تمام انبیاء سے ماثور ہے اور یہ درحقیقت قوم سے رسول کا اعلان برادت ہوتا ہے جس کے بعد ہجرت کا مرحلہ آجاتا ہے۔ اَلَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ کی صفت کا حوالہ یہاں بطور تنبیہ و تذکیر ہے یعنی وہی خدا جو تمھیں وفات دیتا ہے اور جس کے آگے جواب دہی کے لیے لازماً تمھیں حاضر ہونا ہے۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی مجھے جو حکم ملا ہے وہ یہی ہے کہ میں مومن و موحد بنوں اس سے قطع نظر کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ ...... الاٰیۃ، یہ اوپر والی بات ہی کی مزید وضاحت ہے۔ ایمان کی اصل خصوصیت اللہ واحد کی طرف یکسوئی اور شرک کے تمام شوائب سے پورا پورا اجتناب ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الاٰیۃ۔ یہ شرک کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ جب اذن الٰہی کے بغیر نہ کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہے نہ ضرر تو اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو پکارنا اپنے نفس پر بھی بہت بڑا ظلم ہے اور یہ خدا کے بھی سب سے بڑے حق کو تلف کرنا ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ... الاٰیۃ۔ اوپر والی بات ہی کی وضاحت ایک دوسرے اسلوب سے جس سے ان تمام تصورات کی نفی ہو جاتی ہے جن کی بنا پر مشرکین شرکاء و شفعاء کو پوجتے تھے۔ آخر میں غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کی صفات کے حوالے سے مقصود اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ جب خدا خود مغفرت فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے تو بندے اسی کے دامن رحمت میں پناہ لیں۔ دوسروں کا سہارا کیوں ڈھونڈیں!

قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (۱۰۸)

آخری تنبیہ

خطاب ہر چند باعتبار الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن قریش ہی کی طرف ہے جن سے اوپر سے خطاب چلا آرہا ہے۔ یہ گویا اس سلسلہ کی آخری تنبیہ ہے کہ یہ جو کچھ تمھارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے یہ تمھارے رب کی طرف سے ہے اور بالکل حق ہے۔ جو تعلیم تمھیں دی جا رہی ہے یہ بھی حق ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی خبر دی جا رہی ہے وہ بھی شدنی ہے تو اچھی طرح کان کھول کے سن لو کہ جو اس حق کو قبول کرے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو اس کے بعد بھی بھٹکتا رہے گا تو اس بھٹکنے کا وبال اسی کے سر پڑے گا۔ کسی دوسرے کے سر پر نہیں جائے گا۔ اور یہ بھی سن لو کہ میرے اوپر جو ذمہ داری ہے وہ بس اس حق

کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس کو تم سے منوا لینے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (۱۰۹)

پیغمبر کو آخری ہدایت

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ کی آخری ہدایت ہے کہ مخالفین کے رویہ سے قطع نظر کرکے اس وحی کی تم پیروی کرو جو تم پر کی جا رہی ہے اور یہ مخالفین خواہ کتنا ہی زور لگائیں لیکن تم اپنے موقف حق پر ڈٹے رہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے۔ اس فیصلہ کی طرف اشارہ اوپر آیت ۱۰۲ میں گزر چکا ہے کہ بالآخر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو کامیابی عطا فرماتا ہے اور ان کے مخالفین رسوا و نامراد ہوتے ہیں۔

اس سورہ کی تفسیر میں یہ آخری سطریں ہیں جو اس بے بضاعت کے قلم سے سپرد قرطاس ہوئیں۔ جو باتیں قلم سے صحیح نکلی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نکلی ہیں اور جو باتیں کمزور یا غلط ہیں وہ میری کم علمی کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

۱۴؍ نومبر ۱۹۶۹ء

۴؍ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ